مفت سلسلہ اشاعت نمبر 136

اہل سنت کا نشان
ماہنامہ بقیع
AUGUST 2005

تفسیر سورۂ فاتحہ

مؤلف

حضرت علامہ مولانا الحاج محمد مقصود احمد چشتی مدظلہ العالی

(خطیب داتا دربار مسجد لاہور)

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ

نام کتاب: تفسیر سورۃ فاتحہ

مؤلف: حضرت علامہ مولانا الحاج محمد مقصود احمد چشتی قادری

خطیب جامع مسجد دربار حضرت داتا گنج بخش لاہور

کمپوزر: الوقار انٹر پرائز 0300-213 8240

ضخامت: ۷۲

تعداد: ۲۰۰۰

تاریخ اشاعت: اگست/۲۰۰۵ء

مفت سلسلہ اشاعت: ۱۳۶

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر کراچی ۷۴۰۰۰

فون: 021-2439799

پیش لفظ

زیر نظر کتاب ''تفسیر سورۃ فاتحہ'' دراصل حضرت علامہ مولانا الحاج محمد مقصود احمد چشتی قادری مدظلہ العالی کی معرکہ آرا تفسیر بنام ''الفیضان'' سے ماخوذ ہے۔ حضرت موصوف سن ۱۹۴۶ء ضلع رحیم یار خان میں تولد پذیر ہوئے۔ ابتدائی تعلیم، علاقہ خان بیلا میں والد محترم کا قائم کیا ہوا مدرسہ بنام ''مدرسہ عربیہ سلطان المدارس'' سے حاصل کی۔ سن ۱۹۶۳ء میں غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے دورۂ حدیث مکمل کیا، جس پر غزالیٔ زماں علیہ الرحمہ نے چاروں سلاسل طریقت میں خلافت سے نوازا۔

دورۂ حدیث کے بعد مزید مطالعہ اور تحقیق کے لئے حضرت مولانا سید جلال الدین شاہ صاحب، حضرت مولانا محمد نواز صاحب، شیخ القرآن مولانا عبد الغفور ہزاروی اور امام المناطقہ مولانا عطاء محمد بندیالوی رحمہم اللہ جیسی عظیم شخصیتوں سے زانوئے تلمذ ہوئے۔

داتا دربار مسجد کے خطیب حضرت مولانا محمد سعید احمد نقشبندی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد سن ۱۹۸۶ء سے تا حال مسجد ہذا میں تدریس وخطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

طالب علمی کی زمانے سے ہی تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رہا۔ منطق، فلسفہ، علم البلاغہ، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول حدیث اور اصول تفسیر کے موضوعات پر مختلف کتب تصنیف فرمائی۔ تفسیر ''الفیضان'' اُنہی دروس کا نچوڑ ہے جو حضرت موصوف نے کم وبیش بارہ سال سے بعد نماز فجر داتا دربار مسجد میں تفسیری فیضان سے عوام الناس کو اپنا گرویدہ بنائے رکھا ہے اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔

جمعیت اشاعت اہل سنت نے اس سے پہلے سینکڑوں کتب مختلف موضوعات پر شائع کر کے عوام الناس سے دادِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ زیر نظر کتاب اس سلسلے کی ۱۳۶ ویں کڑی ہے۔ امید ہے قارئین کرام اس کتاب سے بھی استفادہ اُٹھاتے ہوئے جمعیت کی استقامت اور روز افزوں ترقی کی دعا فرمائیں گے۔

اللہ جل شانہ وعم نوالہ حضرت موصوف کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائیں اور ان کا عظیم تحریری کارنامہ بنام ''الفیضان'' کو جلد پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ امین۔

عبد المصطفیٰ محمد آصف مدنی عفی عنہ

خادم جمعیت اشاعت اہل سنت پاکستان

فہرست

﴿ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَٰنِ الرَّجِيمِ ﴾

ترجمہ: میں نکالے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

اس کی تشریح میں حسب ذیل امور بیان کئے جائیں گے۔

۱)لفظی تحقیق، ۲)مسائل،
۳)فوائد، ۴)تفسیر۔

لفظی تحقیق:

لفظ اعوذ:

لفظ "اعوذ" عوذ سے مشتق ہے اور عوذ کے دو معنی ہیں۔ ۱)پناہ، ۲)ملنا۔

پہلے معنی کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ میں پناہ لیتا ہوں اللہ سے اور دوسرے معنی کی بنا پر مطلب یہ ہوگا کہ میں اپنے آپ کو فضل الٰہی و رحمت الٰہی سے ملاتا ہوں۔ یہاں پر پہلا معنی مراد ہے۔

لفظ شیطان:

میں دو قول ہیں۔ ۱)بعض نے کہا ہے کہ: یہ شطن سے مشتق ہے۔ ۲)بعض نے کہا کہ یہ شیط سے ماخوذ ہے۔ شطن کے معنی "دور ہونا" ہے اور چونکہ ابلیس بارگاہ الٰہی سے دور ہوا اس لئے اسے شیطان کہا جاتا ہے اور شیط کے معنی ہیں ہلاک ہونا، چونکہ ابلیس اپنی سرکشی سے ہلاک ہوا، اسی لئے اسے شیطان کہا جاتا ہے۔

لفظ رجیم:

مرجوم کے معنی میں ہے اور مرجوم، رجم سے مشتق ہے۔ رجم کے تین معنی ہیں۔
۱)نکالنا، ۲)پھینک کر مارنا، ۳)لعنت (دور کرنا)۔ اگر پہلے معنی لئے جائیں تو اس کا معنی ہوگا نکالا ہوا چونکہ شیطان پہلے فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور اسے وہاں سے فاخرج منہا کے حکم سے

نکالا گیا اسلئے اسے رجیم کہا گیا۔ دوسرے معنی کی بنا پر توجیہہ یہ ہوگی کہ اب جب بھی آسمان پر جانے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شہاب یعنی، ٹوٹے ہوئے تارے کو اس پر پھینک کر اسے مارا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ مرجوم ہوا۔ تیسرے معنی کی بناء پر توجیہہ یہ ہوگی کہ اس پر ہمیشہ حق تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں کی طرف سے لعنت پڑتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣٥﴾ ﴾ [الحجر:١٥/٣٥] اور تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔

مسائل:

۱) اعوذ باللہ الخ قرآن مجید کی آیت نہیں ہے بلکہ آغازِ وحی کے موقعہ پر اقراء سے قبل جبرائیل علیہ السلام نے اعوذ باللہ برکت کے لئے پڑھائی۔

۲) قرآن مجید کی تلاوت سے قبل اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے۔

۳) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک تعوذ کے یہ الفاظ بہتر ہیں: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

فوائد:

۱) انبیاء و اولیاء نے ہر مصیبت کے وقت اعوذ باللہ پڑھی۔

۲) اس سے غصہ دور ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ: ایک شخص انتہائی غصہ کے عالم میں تھا اور اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "اگر یہ شخص اعوذ باللہ پڑھ لے تو اس کی یہ حالت دور ہو جائے"۔

۳) "بستان التفاسیر" میں ہے کہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص روزانہ دس بار اعوذ باللہ پڑھ لیا کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے جو کہ اسے شیطان سے بچاتا ہے۔

۴) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو حضور قلب کے ساتھ اعوذ باللہ پڑھے تو رب اس کے اور شیطان کے درمیان تین سو پردے حائل فرما دیتا ہے۔

تفسیر: دینی اور دنیاوی آفتیں بے انتہا ہیں اور ہم نہایت کمزور ہیں اور بڑے بڑے قوی دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ غصہ، حسد، بغض، کینہ، تکبر وغیرہ اندرونی دشمن ہیں جو کہ ہر وقت ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے ظاہری اعضاء کا میلان بھی غیر شرعی امور کی طرف ہوتا ہے جیسے آنکھ، کان وغیرہ ناجائز امور کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ ان حالات میں انسان ضعیف البنیان ہے جس کے پیچھے شیطان ہے وہ اپنی بے بسی اور بے کسی کی بناء پر عرض کرتا ہے کہ: اے اللہ تیری پناہ، تو ہی مجھے اس قوی دشمن کے مکروفریب سے بچا اور ان مصیبتوں سے بچنے کے لئے تیرے جیسے قادر و قیوم کا ہی سہارا لیتا ہوں تاکہ شیطان کے وسوسوں اور اس کی خباثتوں سے محفوظ رہوں۔

﴿ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴾

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

بسم اللہ کی تحقیق کے ضمن میں حسب ذیل امور بیان کئے جائیں گے۔

۱) تعلق، ۲) نکات، ۳) لفظی تحقیق،
۴) فضائل، ۵) فوائد، ۶) مسائل۔

تعلق:

بسم اللہ کا اعوذ باللہ سے تعلق یہ ہے کہ اعوذ باللہ ماسوی اللہ سے علیحدگی تھی اور بسم اللہ میں اللہ کی طرف توجہ اور ماسوائے اللہ سے علیحدگی توجہ الی اللہ پر مقدم ہے اسلئے اعوذ باللہ، بسم اللہ پر مقدم ہے۔

نکات:

اسلام جو تہذیب انسان کو سکھاتا ہے اس کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ وہ اپنے ہر کام میں ابتداء خدا کے نام سے کرے۔ ہمیں ہمارے ہادی برحق ﷺ نے یہ سبق دیا ہے کہ:

• ہر کام بسم اللہ سے شروع کیا جائے بلکہ فرمایا: "اَغْلِقْ بَابَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ وَاطْفِئْ مِصْبَاحَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ وَخَمِّرْ اِنَائَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ" دروازہ بند کرو تو اللہ کا نام لیا کرو، دیا بجھاؤ تو اللہ کا نام لیا کرو، اپنا برتن ڈھانپو تو اللہ کا نام لیا کرو۔

ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے میں کئی نکات ہیں۔ ہم پانچ نکات بیان کرتے ہیں۔

۱) یہ کہ کفار اپنا ہر کام بتوں کے نام سے شروع کرتے تھے چنانچہ وہ کہتے تھے بسم اللات والعزی لہٰذا ضروری ہے کہ مومن مسلمان اپنے ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرے تاکہ کفار کی مخالفت ظاہر ہو۔

۲) جس کام کی ابتداء اچھی ہو اس کی انتہا بھی اچھی ہوتی ہے بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان کہی جاتی ہے تاکہ اس کی ابتداء اللہ کے نام سے ہو، تاکہ اس کی زندگی باخیر و عافیت گزرے۔

۳) ہر کام کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنے سے انسان برے کاموں سے بچ جاتا ہے، کیونکہ خدا کا نام لینے کی عادت اسے ہر کام شروع کرتے وقت یہ سوچنے پر مجبور کردے گی کہ کیا واقعی میں اس کام پر خدا کا نام لینے میں حق بجانب ہوں۔

۴) جب انسان اپنے رب کے نام سے اپنا کام شروع کرے گا تو خدا کی تائید اور اس کی توفیق اس کے شامل حال ہوگی اور شیطان کی فسادانگیزیوں سے اس کو بچایا جائے گا۔ خدا کا یہ طریقہ ہے کہ جب بندہ اس کی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ بھی بندہ کی طرف توجہ کرتا ہے۔

۵) آدمی جس کا ذکر زیادہ کرتا ہے تو اس کو اسی کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ انسان بسم اللہ زیادہ پڑھے تو ان شاء اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں رحمت الٰہی اس کے ساتھ رہے گی۔

"تفسیر کبیر" میں بسم اللہ کے ماتحت ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ: ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی انگوٹھی عطا فرمائی اور فرمایا کہ: اس پر کسی نقاش سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لکھوا دو۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نقاش کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ: اس پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ تحریر کردے۔ نقاش نے یہی لکھ دیا، جب وہ انگوٹھی بارگاہِ رسالت میں پیش ہوئی تو اس پر لکھا تھا "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صِدِّیْق"، ابوبکر صدیق سے ارشاد فرمایا: اے ابوبکر! یہ زیادتی کیسی؟ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! میں نے پسند نہیں کیا کہ آپ ﷺ کے اور رب کے نام میں جدائی ہو اس لئے میں نے رب کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر کیا، جہاں تک میرے نام کا تعلق ہے تو وہ میں نے تحریر نہیں کرایا، ابھی یہ عرض معروض ہو رہی تھی کہ حضرت جبرائیل حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! صدیق کا نام میں نے بڑھایا ہے۔ صدیق نے یہ پسند نہیں کیا کہ ذکر خدا ہو اور ذکر مصطفیٰ نہ ہو اسی طرح رب نے بھی یہ پسند نہیں کیا کہ آپ ﷺ کے اور صدیق کے نام میں جدائی ہو۔

لفظی تحقیق:

قرآن کی سب سے پہلی آیت بسم اللہ الخ ہے، جو جبرائیل امین لے کر آئے اس میں قرآن کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا۔ علامہ سیوطی نے فرمایا کہ: قرآن کے سوا دوسری تمام کتابیں بھی بسم اللہ سے شروع کی گئی ہیں اور بعض علماء نے فرمایا کہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن اور امت محمدیہ کی خصوصیت میں سے ہے۔ دونوں قولوں میں تطبیق یہ ہے کہ: اللہ کے نام سے شروع کرنا تو تمام آسمانی کتابوں میں مشترک ہے مگر لفظ بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن کی خصوصیت ہے۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ: حضور ﷺ بھی ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کے لئے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ کہتے اور لکھتے تھے جب آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی تو انہی الفاظ کو اختیار کر لیا گیا اور ہمیشہ کے لئے یہ سنت جاری ہوگئی۔

بسم اللہ کو "با" سے شروع کیا گیا جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان نے عالم ارواح میں پیدا ہو کر سب سے پہلا لفظ "بلیٰ" کہا تھا، یعنی، رب تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا "بلیٰ"، یعنی، ہاں، تو سب سے پہلے انسان کے منہ سے "با" نکلا۔ رب تعالیٰ نے اپنے کلام کو "با" سے شروع کیا تاکہ قرآن پڑھتے ہوئے وہ عہد و میثاق یاد آجائے۔

حرف باء:

حرف "باء" عربی زبان میں بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جن میں سے تین معنی کا یہ مناسب مقام ہے، یعنی، ان میں سے ہر معنی اس جگہ لیا جا سکتا ہے۔ فعل مصاحبت یعنی، کسی چیز سے متصل ہونا، دوسرے استعانت یعنی، کسی چیز سے مدد حاصل کرنا، تیسرے تبرّک یعنی، کسی چیز سے برکت حاصل کرنا۔

لفظ اللہ:

علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے بسم اللہ کی تفسیر میں اپنی کتاب "تفسیر کبیر" میں تحریر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تین ہزار (۳۰۰۰) نام ہیں۔ جن میں سے ایک ہزار (۱۰۰۰) کو ملائکہ جانتے ہیں اور ایک ہزار (۱۰۰۰) کو صرف انبیاء کرام اور باقی ایک ہزار میں سے تین سو (۳۰۰) نام تورات شریف میں تین سو (۳۰۰) انجیل میں اور تین سو (۳۰۰) زبور میں، ننانوے (۹۹) نام قرآن پاک میں ہیں اور ایک نام وہ ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن بسم اللہ میں جو اللہ تعالیٰ کے تین نام آئے ان تین میں تین ہزار معانی پائے جاتے ہیں لہٰذا جس نے ان تینوں ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیا گویا اس نے تمام ناموں سے اس کو یاد کر لیا، ان تمام ناموں میں لفظ "اللہ" اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور باقی اسماء صفاتیہ ہیں۔ ذاتی نام اسے کہتے ہیں جو صرف ذات کو بتائے، صفاتی نام وہ ہے جو ذات کے ساتھ ساتھ صفت کی طرف بھی اشارہ کرے، صحیح اور حق مذہب یہ ہے کہ لفظ "اللہ" کسی لفظ سے مشتق نہیں ہے۔ جیسے اس کی ذات کسی سے نہیں بنی اور وہ ﴿لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ﴾ ہے ایسے ہی اس کا نام کسی لفظ سے نہیں بنا۔

الرحمٰن الرحیم:

لفظ رحمٰن اور رحیم، رحم سے بنا ہے اور رحم کے معنی ہیں دل کا نرم ہونا اور کسی پر مہربانی کرنا، مگر حق تعالیٰ چونکہ دل سے پاک ہے اس لئے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ فضل و احسان فرمانے والا۔

رحمٰن و رحیم میں فرق:

۱......رحمٰن کے معنی سب پر عام، رحم فرمانے والا اور رحیم کے معنی خاص خاص پر رحم فرمانے والا۔ ہوا، پانی، سورج کی روشنی وغیرہ سب کو عطا فرمائی لیکن حکومت، دولت، ولایت، نبوت وغیرہ سب کو نہیں دیئے بلکہ اپنے خاص خاص بندوں کو دیئے۔

۲......دنیا میں دوست و دشمن، مسلمان اور کافر سب کو اپنی رحمت سے نوازا۔ یہاں صفت رحمان کا ظہور ہے مگر آخرت میں خاص مسلمانوں پر رحم ہوگا اور دشمنوں پر قہر ہوگا تو وہاں صفت رحیم کا ظہور ہوگا۔

نکتہ:

اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ میں اپنے اسم ذات کے ساتھ رحمت کی دو صفتوں کو بیان فرمایا اس لئے کہ لفظ ''اللہ'' میں جلال ہے اور رحمٰن و رحیم میں جمال ہے۔ لفظ ''اللہ'' سُن کر بندوں کو عرض و معروض کی جرأت نہ ہوتی تھی، لیکن رحمٰن و رحیم سن کر ہر مجرم و خطا کار میں بھی عرض کرنے کی ہمت پڑی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کے جلال کے مقابلہ میں کون دم مار سکتا ہے اور ظہور جمال کے وقت ہر ایک ناز کر سکتا ہے۔

حکایت

دو بھائی تھے ایک متقی و پرہیز گار دوسرا فاسق و بدکار، جب فاسق مرنے لگا تو متقی بھائی نے کہا: میں نے تجھے بہت سمجھایا مگر تو اپنے فسق و فجور سے باز نہ آیا، اب بتا تیرا کیا حال ہوگا؟ اس نے جواب دیا کہ: اگر قیامت کے روز میرا رب میرا فیصلہ میری ماں کے سپرد کر دے تو بتاؤ کہ ماں مجھے کہاں بھیجے گی دوزخ میں یا جنت میں؟ متقی بھائی نے کہا کہ: ماں واقعی جنت میں بھیجے گی، گناہگار نے جواب دیا کہ: میرا رب میری ماں سے زیادہ مہربان ہے۔ یہ کہا اور انتقال کر گیا۔ بڑے بھائی نے اُسے خواب میں نہایت خوشحال دیکھا، مغفرت کی وجہ پوچھی، کہا کہ: مرتے وقت کی بات نے میرے تمام گناہ بخشوا دیئے۔

ہم گنہگاروں پہ تیری مہربانی چاہئے
سب گناہ دُھل جائیں گے رحمت کا پانی چاہئے

بسم اللہ کے فضائل و فوائد:

۱) یہ کہ بسم اللہ قرآن مجید کی کنجی ہے بلکہ ہر دنیوی و دینی جائز کام کی بھی کنجی ہے کہ جو کام اس کے بغیر کیا جائے ناقص رہتا ہے۔

۲) بسم اللہ کی تفسیر میں ''تفسیر کبیر'' میں تحریر کیا گیا ہے کہ: فرعون نے دعویٰ خدائی سے پیشتر ایک مکان بنایا تھا اور اس کے بیرونی دروازہ پر بسم اللہ لکھی تھی جب دعویٰ خدائی کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تبلیغ توحید کی اور اس نے قبول نہ کی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے حق میں دعائے عذاب کی۔ وحی آئی، اے موسیٰ! یہ ہے تو اس قابل کہ اس کو ہلاک کر دیا جائے لیکن اس کے دروازہ پر بسم اللہ لکھی ہے جس کی وجہ سے وہ عذاب سے بچا ہوا ہے اسی وجہ سے فرعون پر گھر میں عذاب نہ آیا بلکہ وہاں سے نکال کر دریا میں ڈبویا گیا، جب ایک کافر کا گھر بسم اللہ کی وجہ سے عذاب سے بچ گیا تو اگر مسلمان اس کو اپنے دل و زبان پر لکھ لے تو کیوں نہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے، مگر خیال رہے کہ ان الفاظ کی بے ادبی نہ ہونے پائے۔

۳) ''تفسیر عزیزی'' میں ہے کہ: ایک ولی اللہ نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ کفن میں بسم اللہ لکھ دینا، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ قیامت کے دن میری دستاویز ہوگی جس کے ذریعہ میں رحمت الٰہی کی درخواست کروں گا۔

۴) ''تفسیر کبیر'' میں ہے کہ: بسم اللہ میں انیس (۱۹) حروف ہیں اور دوزخ پر انیس فرشتے عذاب کے لئے مامور ہیں۔ پس امید ہے کہ اس کے ایک ایک حرف کی برکت سے ایک ایک فرشتہ کا عذاب دور ہوگا۔

۵) بسم اللہ کی برکت سے انسان عذاب قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے

اس کی قبر کو منور فرماتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قبر سے گزر ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ اس میں میت کو عذاب ہو رہا ہے یہ دیکھ کر آپ چند قدم آگے تشریف لے گئے، جب واپس تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ اس قبر میں نور ہی نور ہے اور وہاں رحمت الٰہی کی بارش ہو رہی ہے۔ آپ سراپا حیرت بن گئے کہ ابھی تو یہ عذاب میں مبتلا تھا اور اب رحمت الٰہی سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ رب العالمین! کیا ماجرا ہے؟ مجھے اس کی حقیقت سے آگاہی عطا فرمائی جائے۔ ارشاد ہوا، اے روح اللہ! یہ سخت گناہگار تھا اپنی پوری زندگی معصیت اور طغیانی میں گزاری اس لئے اسے عذاب میں مبتلا کیا گیا لیکن مرتے وقت اس نے اپنی حاملہ بیوی چھوڑی تھی اس سے لڑکا پیدا ہوا اور آج اسے مکتب میں بھیجا گیا، استاد نے بسم اللہ پڑھائی۔ اس لئے ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ جس کا بچہ زمین پر ہمارا نام لے رہا ہو زمین کے اندر اس کے باپ کو عذاب دیا جائے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں کی نیکیوں سے ماں باپ کی نجات ہو جاتی ہے۔

۶) بسم اللہ پڑھنے سے مصیبت دور ہو جاتی ہے۔ ''تفسیر عزیزی'' میں ہے کہ: اگر کسی کو مصیبت درپیش ہو تو وہ بسم اللہ بارہ ہزار مرتبہ اس طرح پڑھے کہ ایک ہزار مرتبہ بسم اللہ پڑھ کر دو رکعت نفل پڑھے پھر ہر ہزار پر دو نفل پڑھتا جائے اس کے بعد دعا مانگے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول ہوگی اور اس کی مصیبت دور ہوگی۔

۷) بسم اللہ کی برکت سے انسان جسمانی بیماریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کی برکت سے زہر بھی اثر نہیں کرتا۔

اعتراض: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم ہزاروں بار بسم اللہ پڑھتے ہیں مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

جواب: تمام دعائیں عبادتیں اور وظائف مثل کارتوس کے ہیں اور پڑھنے والے کی زبان مثل بندوق کے ہے۔ کارتوس یقیناً شیر کو مارتا مگر کب جبکہ اچھی رائفل سے استعمال کیا جائے۔ دعائیں تو وہی ہیں مگر ہماری زبانیں صحابہ کرام کی سی نہیں۔ ہم اسی زبان سے روزانہ جھوٹ

اور غیبت وغیرہ کرتے رہتے ہیں تو پھر وہ تاثیر کہاں سے آئے اگر قرآن کی تاثیر دیکھنی ہو، تو اچھی زبان پیدا کرو اور اگر عبادتوں اور دوسرے نیک اعمال کے فوائد اور ثمرات سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہو تو اچھے انسان بنو اور اچھا انسان عشق رسول ﷺ سے ہی بنتا ہے۔ جو بھی عشق رسول کی دولت سے بہرہ ور ہوا تو سمجھے کہ تمام جہاں کی دولتیں اس کے قدموں میں ہیں۔

منزل ملی، مراد ملی، مدعا ملا
مل جائیں گر حضور ﷺ تو سمجھو خدا ملا

مغز قرآن، روحِ ایمان، جان و دیں
ہست حب رحمۃ للعالمین ﷺ

محمد ﷺ کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

نماز اچھی روزہ اچھا زکوٰۃ اچھی حج اچھا
مگر میں باوجود اس کے مسلمان ہو نہیں سکتا

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

۸) جسم میں کسی بھی جگہ درد ہو تو بسم اللہ کی برکت سے درد دور ہو جاتا ہے، امام قرطبی نے صحیح سند سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ: عثمان بن ابی العاص نے شکایت کی، یا رسول اللہ ﷺ! جب سے مشرف بہ اسلام ہوا ہوں، جسم میں درد رہتا ہے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: جہاں درد ہو تو وہاں ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھو اور سات بار یہ جملہ کہو، اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔

بسم اللہ کے مسائل:

۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کلام الٰہی ہے، سورتوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کیلئے اس کا نزول ہوا، یہ نہ سورۂ فاتحہ کی جزء ہے نہ کسی اور سورت کی البتہ سورۂ نمل کی ایک آیت کا جزء ہے۔ یہی مذہب امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا ہے۔

۲) ہر سورۃ کے ابتداء میں اسے دہرایا گیا ہے، یعنی ۱۱۳ بار بجز ایک سورۂ براۃ (سورۂ توبہ)

۳) ہر جائز کام بسم اللہ سے شروع کرنا مستحب ہے۔

۴) ناجائز کام پر بسم اللہ پڑھنا منع ہے اگر کوئی شخص گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے وقت بسم اللہ پڑھے تو کفر کا اندیشہ ہے۔

۵) ''شامی'' میں ہے کہ: حقہ پیتے وقت اور بدبودار چیزیں جیسے پیاز، لہسن وغیرہ کھاتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھنا چاہئے۔

۶) جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اگر جان بوجھ کر چھوڑ دیا جائے تو جانور مُردار ہوگا۔ اگر بھولے سے چھوٹ گیا تو جانور حلال ہوگا۔

سورۂ فاتحہ

یہ وہ مختصر اور حقائق ومعانی سے لبریز، دل نشین، دل آویز اور جلیل القدر سورت ہے جس سے اس مقدس آسمانی کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ جس نے تاریخ انسانی کا رُخ موڑ دیا اور قلب وروح کو نئی زندگی بخشی۔ اس عظیم المرتبت سورہ کی تفسیر میں آٹھ موضوعات پر گفتگو ہوگی۔

۱) نام، ۲) زمانہ نزول، ۳) سورۃ اور قرآن کا تعلق، ۴) فضائل،
۵) فوائد، ۶) مسائل، ۷) مضمون، ۸) آیات کی تفسیر

نام:

قبل اس کے کہ اس سورۃ کے نام گنوائے جائیں بہتر ہوگا کہ اس بات کی وضاحت

کردی جائے کہ سورۃ کسے کہتے ہیں اور آیت کسے کہتے ہیں؟ عربی زبان میں فصیل شہر کو سورہ کہا جاتا ہے، گویا وہ فصیلِ شہر کی طرح اپنے مضامین کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ آیت کے لفظی معنی ہیں نشان اور اصطلاح میں ہر فقرہ جس میں کوئی حکم ہو یا وہ ایک مستقل عبارت ہو ایک آیت ہے۔

اس سورۃ کے بیس نام ہیں۔

فاتحہ، فاتحۃ الکتاب، اُمّ القرآن، سورۃ الکنز، شافیہ، وافیہ، کافیہ، شفاء، سبع مثانی، نور، رقیہ، سورۃ الحمد، سورۃ الدعاء، تعلیم المسئلہ، سورۃ المناجات، سورۃ التفویض، سورۃ السوال، اُمّ الکتاب، فاتحۃ القرآن، سورۃ الصلوٰۃ۔

اس کا نام الفاتحۃ، اس کے مضمون کی مناسبت سے ہے کہ اس سے قرآن مجید شروع کیا جاتا ہے یا یوں سمجھئے کہ یہ نام دیباچہ کا ہم معنی ہے۔

زمانۂ نزول:

یہ بعثت محمدی ﷺ کے بالکل ابتدائی زمانہ کی سورت ہے اور سب سے پہلی مکمل سورۃ ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: جب میں تنہائی میں بیٹھتا ہوں تو غیبی آواز سنتا ہوں کوئی کہتا ہے پڑھو۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار ورقہ بن نوفل کو اس کی خبر دی۔ ورقہ نے عرض کیا کہ جب کبھی یہ آواز آئے تو آپ اطمینان سے سنتے رہیں۔ چنانچہ حضرت جبرئیل حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ پڑھئے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین الخ

سورۂ فاتحہ اور قرآن کا باہمی تعلق:

قرآن اور سورۂ فاتحہ کا باہمی تعلق دعا اور جوابِ دعا کا سا ہے۔ سورہ فاتحہ ایک دعا ہے، بندے کی جانب سے اور قرآن خدا کی جانب سے اسکا جواب ہے۔ بندہ دعا کرتا ہے کہ: اے میرے پالنے والے: میری رہنمائی کر اور سیدھے راستہ پر چلا۔ تو اسکے جواب میں اللہ اپنے اس بندے کی سامنے پورا قرآن رکھ دیتا ہے کہ: یہ ہے وہ ہدایت ورہنمائی جس کی درخواست تو نے مجھ سے کی۔

فضائل:

۱) اس سورہ کی سات آیتیں ہیں اور دوزخ کے دروازے بھی سات ہیں۔ جو شخص ان سات آیتوں کی تلاوت کا پابند ہوگا ان شاء اللہ اس پر دوزخ کے ساتوں دروازے بند ہو جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ میں آپ ﷺ کی امت پر دوزخ کے عذاب کا خوف کرتا تھا لیکن جب سے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی ہے میرا خوف اطمینان میں بدل گیا ہے کہ یہ سات آیتیں جہنم کے سات طبقوں کا قفل ہیں۔

۲) ''مسلم شریف'' میں ہے کہ: ایک مرتبہ فرشتہ نے آسمان سے نازل ہو کر بارگاہ نبوت میں عرض کی یارسول اللہ! مبارک ہو آپ کو دو نور ایسے ملے ہیں جو کہ کسی نبی کو عطا نہیں کئے گئے ایک سورۂ فاتحہ اور دوسرا سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں، امن الرسول سے آخر تک۔

۳) ترمذی شریف میں ہے کہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ: سورۂ فاتحہ کی مثل تورات، انجیل اور زبور میں کوئی سورۃ نہیں اُتری۔

۴) تفسیر کبیر میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے اور سو کتابوں کے علوم چار کتابوں میں رکھے یعنی تورات، انجیل، زبور اور قرآن مبین اور ان تین کتابوں کے تمام علوم قرآن میں رکھے اور قرآن مجید کے تمام علوم طول مفصل میں (جو کہ سورۃ حجرات سے والناس ہے) رکھے پھر مفصل کے تمام علوم سورۂ فاتحہ میں رکھے گئے۔ لہٰذا جس نے سورہ فاتحہ سیکھ لی اور اس کے تمام علوم و معارف سے آگاہی حاصل کر لی تو گویا اس نے تمام آسمانی کتب کے علوم حاصل کر لئے اور جس نے سورہ فاتحہ پڑھ لی تو گویا اس نے تمام کتب سماویہ پڑھ لیں۔

۵) یہ سورۃ سراپا رحمت ہے اس لئے اس میں رب تعالیٰ کے قہر، جبر اور دوزخ کے عذاب وغیرہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۶) ''تفسیر روح البیان'' میں ہے کہ: جس وقت یہ سورۃ اُتری اس وقت حضرت جبرئیل علیہ

السلام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے آئے تھے۔

۷) حدیث شریف میں ہے کہ: جو شخص ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرمائے گا۔

۸) ''مؤطا امام مالک'' میں ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب ؓ کو آواز دی وہ نماز میں تھے۔ فارغ ہو کر آپ ﷺ سے ملے، فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رکھا۔ مسجد سے باہر نکل ہی رہے تھے کہ ارشاد فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تجھے ایسی سورۃ بتاؤں کہ تورات انجیل اور قرآن میں اس کی مثل نہیں ہے۔ فرماتے ہیں: میں نے اس امید پر اپنی چال نرم کر دی اور عرض کی کہ: حضور وہ کونسی سورۃ ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: نماز شروع کرتے ہو تو تم کیا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا، الحمد للہ رب العالمین۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ یہی سورۃ ہے سبع مثانی اور قرآن عظیم جو مجھے دیا گیا ہے وہ بھی یہی ہے۔

''مسند امام احمد'' میں ہے کہ: جب حضور ﷺ نے انہیں پکارا تو وہ نماز میں تھے۔ التفات کیا مگر جواب نہ دیا، آپ ﷺ نے پھر پکارا، حضرت اُبی نے نماز ہلکی کر دی اور فارغ ہو کر جلدی سے حاضر خدمت ہوئے۔ سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے جواب دے کر فرمایا: اُبی تم نے جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے عرض کیا، حضور میں نماز میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَجِيبُوا۟ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ [الأنفال:٨/٢٤] اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر تم حاضر ہو جاؤ جب رسول اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشتی ہے۔

عرض کی: حضور کوتاہی ہوئی ہے آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا: وہ اوپر مذکور ہو چکا ہے (''تفسیر ابن کثیر'' تحت تفسیر سورۂ فاتحہ)

فائدہ:

فقہاء کرام نے ارشاد فرمایا کہ: اس حدیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر حضور ﷺ کسی کو نماز کے دوران بلائیں تو نماز کو چھوڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوجائے جب تک وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے گا نماز میں رہے گا اور اس کی نماز فاسد نہ ہوگی (قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر) نیز فقہاء نے فرمایا کہ: اگر نفلی نماز پڑھ رہا ہے اور والدہ اسے بلائے تو نماز توڑ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوجائے (اور دوبارہ از سرِ نو نماز پڑھے)۔

فوائد سورۂ فاتحہ:

۱) عبدالملک بن عمیر سے مرسلاً روایت ہے کہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: فاتحۃ الکتاب ہر مرض کے لئے شفا ہے اسے دارمی نے اپنی ''مسند'' میں روایت کیا۔

۲) حضرت جابر سے روایت ہے کہ: فاتحۃ الکتاب بجز موت کے ہر مرض کی دوا ہے۔ اسے نخعی نے اپنے ''فوائد'' میں تحریر کیا ہے۔

۳) ابوسلیمان کہتے ہیں کہ: چند صحابہ کرام کسی غزوہ میں شریک تھے۔ وہاں ان کا گزر کسی مرگی والے پر ہوا جو کہ بالکل بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ کسی نے سورۂ فاتحہ کو پڑھ کر اس کے کان میں پھونک دیا، تو وہ اچھا ہوگیا۔ حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ اُمّ القرآن ہے اور ہر مرض کی دوا ہے۔

۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ہم لوگ سفر میں تھے چلتے چلتے ایک مقام پر پہنچے وہاں ایک لونڈی نے آکر کہا کہ اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے، کیا تم میں سے کوئی منتر پڑھنے والا ہے؟ یہ سن کر ہم میں سے ایک شخص کھڑا ہوگیا اور لونڈی کے ہمراہ جاکر سورۂ فاتحہ پڑھ کر سانپ کے ڈسے ہوئے پر پھونک دی، وہ فوراً اچھا ہوگیا۔ جب ہم سفر سے واپس آئے تو حضور سے یہ ماجرا عرض کیا، آپ ﷺ نے اس شخص سے دریافت کیا، تجھے کیونکر معلوم ہوا کہ وہ منتر ہے اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

۵) سائب بن یزید کہتے ہیں کہ: جناب نبی کریم ﷺ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر مجھ پر دم کیا اور آفات و بلا سے محفوظ رہنے کے لئے یہ سورۃ پڑھ کر میرے منہ میں لعاب دہن مبارک ڈال دیا، اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔

۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: جب تو بستر پر لیٹتے وقت سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھے گا تو موت کے سوا ہر چیز سے محفوظ رہے گا (ماخوذ از ''تفسیر مظہری'')

۷) جو شخص مریض لا دوا ہو وہ چینی کے سفید برتن میں آبِ زم زم اور زعفران سے سورۂ فاتحہ لکھ کر دھو کر اکتالیس (۴۱) روز تک پیتا رہے تو اِن شاء اللہ شفاء ہوگی اور اگر آبِ زم زم نہ ملے تو عرقِ گلاب لے لے اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو کنویں کا پانی ہی کافی ہے۔

۸) جو شخص سورۂ فاتحہ سو (۱۰۰) بار پڑھ کر دعا مانگے تو اللہ اس کی دعا کو قبول فرمائے گا۔

۹) ''تفسیر کبیر'' میں ہے کہ: بعض گنہگار قوموں پر عذاب الٰہی آنے والا ہوگا مگر ان میں سے کوئی بچہ مکتب میں جاکر فاتحہ پڑھے گا تو اس کی برکت سے چالیس سال تک عذاب دور ہوجائیگا۔

۱۰) اگر کوئی شخص کسی دنیوی پریشانی میں مبتلا ہو تو وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی میم کو الحمد کی لام کے ساتھ ملا کر پڑھے ان شاء اللہ اس کی پریشانی دور ہوجائے گی۔

مضمون سورۂ فاتحہ:

سورۂ فاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہے جن میں سے پہلی تین آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے۔ آخری تین آیتوں میں انسان کی طرف سے دعا و درخواست کا مضمون ہے۔ جو ربّ العزت نے اپنی رحمت سے خود ہی انسان کو سکھایا ہے اور درمیانی آیت میں دونوں چیزیں مشترک ہیں، کچھ حمد و ثناء کا پہلو ہے کچھ دعا و درخواست کا۔

''صحیح مسلم'' میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ: حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: نماز (یعنی، سورۂ فاتحہ) میرے اور میرے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے، نصف میرے لئے ہے اور نصف میرے بندے کیلئے اور جو کچھ میرا بندہ

مانگتا ہے وہ اس کو دیا جائیگا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: بندہ جب کہتا ہے ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: حَمِدَنِیۡ عَبۡدِیۡ کہ میرے بندے نے میری حمد کی۔

اور جب وہ کہتا ہے ﴿اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَثۡنٰی عَلَیَّ عَبۡدِیۡ کہ میرے بندے نے میری تعریف وثناء بیان کی ہے اور جب بندہ کہتا ہے ﴿مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَجَّدَنِیۡ عَبۡدِیۡ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔

اور جب بندہ کہتا ہے ﴿اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هٰذَا بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَ عَبۡدِیۡ وَلِعَبۡدِیۡ مَاسَاَلَ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کیلئے وہ چیز موجود ہے جس کا وہ سوال کرے۔

چونکہ اس میں ایک پہلو حق تعالیٰ کی حمد وثناء کا ہے اور دوسرا پہلو بندے کی دعا و درخواست کا، اس لئے اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ میرے بندے کو وہ چیز ملے گی جو اس نے مانگی'' پھر جب بندہ کہتا ہے ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ ۝﴾ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے: فَهٰٓؤُلَاءِ لِعَبۡدِیۡ وَلِعَبۡدِیۡ مَاسَاَلَ کہ یہ سب میرے بندے کیلئے اور اس کو وہ چیز ملے گی جو اس نے مانگی۔ (تفسیر مظہری)

مسائل سورۂ فاتحہ

۱) فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور فرض نماز کے علاوہ دیگر نمازوں کی ہر رکعت میں۔

۲) اگر آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو اسے سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور اگر امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے تو سورۂ فاتحہ پڑھنا منع ہے اس کی کئی وجوہ ہیں۔

اول: یہ کہ بادشاہوں کی بارگاہ میں جب ایک وفد پیش ہوتا ہے تو وفد کے تمام ارکان شاہی آداب اور سلام بجالاتے ہیں لیکن ان سب کی طرف سے عرض معروض صرف ایک ہی شخص کرتا ہے۔ نماز

میں بھی بارگاہ الٰہی میں حاضری ہے اور امام اپنی پوری جماعت کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتا ہے تو تمام نمازی اس بارگاہ میں نماز کے ارکان سجود، قیام، التحیات، تکبیرات اور سلام کے ذریعہ آداب بجالاتے ہیں اور تلاوتِ قرآن چونکہ عرض معروض ہے وہ صرف امام بجالاتا ہے اسی لئے مقتدیوں کو چاہئے کہ تلاوتِ قرآن کے وقت خاموش رہیں اور خود تلاوت نہ کریں۔

دوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝﴾ [الاعراف:۷/۲۰۴] اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم رحم کئے جاؤ۔

اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں ''تفسیر مدارک'' میں ہے: وجمهور الصحابة علی أنه في استماع الموتمّ یعنی، عام صحابہ کا فرمان یہ ہے کہ: یہ آیت مقتدی کے قرأت امام سننے کے بارے میں ہے۔

اور ''تفسیر خازن'' میں ہے: وعن ابن مسعود أَنَّهٗ سَمِعَ أُنَاسًا یَقۡرَءُوۡنَ مَعَ الۡإِمَامِ فَلَمَّا انۡصَرَفَ قَالَ أَمَا أَنۡ تَفۡقَهُوۡا ﴿وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ﴾ الخ یعنی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ: کیا ابھی تک یہ وقت نہیں آیا کہ تم اس آیت کو سمجھو واذا قرئ القرآن الخ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر ''تنویر المقباس'' میں ہے ﴿وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ﴾ فی الصلوٰة المکتوبه ﴿فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ﴾ إلی قراءته ﴿وَاَنۡصِتُوۡا﴾ لقراءته یعنی، جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کی قرأت کو کان لگا کر سنو اور تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہو۔

قرآن مجید کی اس آیت اور اس کی تفاسیر سے یہ امر عیاں ہوجاتا ہے کہ امام کی قرأت کے وقت مقتدی حضرات خاموش رہیں اور کان لگا کر اس کی تلاوت سنیں۔

سوم: ''مسلم شریف'' باب سجود التلاوت میں عطا بن یسار سے مروی ہے کہ: سُئِلَ زَیۡدُ بۡنُ ثَابِتٍ عَنِ الۡقِرَاءَةِ مَعَ الۡإِمَامِ، فَقَالَ: لَا قِرَاءَةَ مَعَ الۡإِمَامِ فِیۡ شَیۡءٍ یعنی، حضرت عطا بن یسار نے

زید بن ثابت سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ: امام کے ساتھ بالکل قرأت جائز نہیں۔

چھارم: ''ترمذی شریف'' میں حضرت جابر ؓ سے مروی ہے: جو شخص نماز پڑھے اور اس میں فاتحہ نہ پڑھے اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

ان احادیث سے بھی یہ واضح ہوجاتا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔

ترجمہ سورۂ فاتحہ

اس سورۃ میں چھبیس (۲۶) الفاظ کا لفظی ترجمہ پیش کیا جاتا ہے اور اس کے بعد مکمل سورۂ فاتحہ کا لفظی ترجمہ پیش کیا جائے گا الفاظ یہ ہیں۔

۱-	ال	سب	۱۴-	نستعین	ہم مدد چاہتے ہیں
۲-	حمد	تعریف	۱۵-	اهد	چلا تو
۳-	ل	واسطے/کیلئے	۱۶-	نا	ہمیں
۴-	ربّ	مرتبہ کمال تک پہنچانے والا	۱۷-	صراط	راستہ
۵-	العلمین	تمام جہان	۱۸-	مستقیم	سیدھا
۶-	الرحمن	بہت مہربان	۱۹-	الذین	جو لوگ
۷-	الرحیم	ہمیشہ رحم فرمانے والا	۲۰-	أنعمت	تو نے انعام کیا
۸-	مالك	بادشاہ/مالک	۲۱-	علی	پر
۹-	یوم	دن	۲۲-	هم	وہ
۱۰-	الدین	جزاء	۲۳-	غیر	نہ
۱۱-	ایاك	خاص تو	۲۴-	مغضوب	غضب کیا ہوا
۱۲-	نعبد	ہم عبادت کرتے ہیں	۲۵-	لا	نہ
۱۳-	و	اور	۲۶-	الضآلّین	گمراہ

﴿ ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ۝٢ ﴾

سب تعریفیں اللہ کے لئے جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کا

﴿ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ۝٣ ﴾

بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا

﴿ مَٰلِكِ يَوۡمِ ٱلدِّينِ ۝٤ ﴾

مالک ہے روز جزاء کا

﴿ إِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَإِيَّاكَ نَسۡتَعِينُ ۝٥ ﴾

خاص تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں

﴿ ٱهۡدِنَا ٱلصِّرَٰطَ ٱلۡمُسۡتَقِيمَ ۝٦ ﴾

ہمیں سیدھے راستہ پر چلا

﴿ صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ﴾

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا

﴿ غَيۡرِ ٱلۡمَغۡضُوبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ ۝٧ ﴾

نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں

اس میں چند امور قابل غور ہیں۔

۱) قرآن مجید میں سب سے پہلے یہ آیت کیوں نازل ہوئی؟

۲) اس آیت کی عالمانہ تفسیر۔

چند وجوہ ہیں جن کی وجہ سے اس آیت کو سب سے پہلے رکھا گیا:

اول: یہ کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: كُلُّ أَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ بِحَمْدِ اللّٰهِ فَهُوَ أَبْتَر ہر مہتم بالشان امر جو حمد الٰہی سے شروع نہ کیا جائے تو وہ دُم بریدہ ہوتا ہے یعنی، بے برکت۔ بنابریں اس آیت کو قرآن مجید کے شروع میں ذکر کیا گیا تا کہ تلاوتِ قرآن مجید میں برکت حاصل ہو۔

دوم: یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی چھینک آئی تو آپ نے فرمایا: الحمد لله رب العالمين اسی لئے ہمیں بھی حکم ہے کہ چھینک کے وقت یہ پڑھیں اور سننے والا یہ جواب دے۔ يَرْحَمُكَ اللّٰه پھر چھینک والا جواب دے يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ معلوم ہوا کہ یہ پہلا کلمہ ہے جو حضرت انسان کے منہ سے نکلا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے اپنے کلام کو بھی اس سے شروع فرمایا۔

سوم: یہ کہ اس میں مسلمانوں کے لئے تعلیم ہے کہ اپنا ہر کام اللہ کی حمد سے شروع کیا کریں کیونکہ ربّ کی کتاب بھی اس سے شروع ہوتی ہے۔

چہارم: یہ کہ سورۂ فاتحہ دعا ہے لیکن دعا کی ابتداء اس ذات کی تعریف سے کی جارہی ہے جس سے ہم دعا مانگنا چاہتے ہیں۔ یہ گویا اس امر کی تعلیم ہے کہ جب تم دعا مانگو تو مہذب طریقہ سے مانگو اور ادب کا تقاضا ہے کہ جس سے دعا کررہے ہو تو پہلے اس کی خوبی کا، اس کے احسانات اور اس کے کمالات کا اعتراف کرو۔ بنابریں ''حمد'' کو قرآن مجید کی ابتداء میں ذکر کیا گیا۔

تفسیر:

''الحمد'' میں الف لام ہے اس کے معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے الحمد للہ کے دو معنی بیان کئے جاتے ہیں۔

اول: الحمد للہ کا معنی جمیع حمد اللہ تعالیٰ کیلئے ہے یعنی، حمد کوئی سی بھی ہو، کسی قسم کی بھی ہو اور بظاہر کسی کیلئے بھی ہو وہ تمام حمدیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اگر رب کی تعریف کرو تو ظاہر ہے کہ وہ تعریف بلا واسطہ رب کی تعریف ہے اور اگر اس کی مخلوق میں سے کسی کی تعریف کی جائے۔ مثلاً کسی ولی، چاند، سورج، موتی وغیرہ جس کی بھی تعریف کی جائے۔ تو وہ بالواسطہ رب کی ہی تعریف ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهٗ وَبِيَدِكَ الْخَيْرُ كُلُّهٗ وَإِلَيْكَ يَرْجِعُ الْأَمْرُ كُلُّهٗ (تفسیر ماجدی)

دوم: خاص حمد اللہ کیلئے ہے اس سے مراد وہ حمد ہے جو خدا کے ہاں مقبول ہے اور یہ وہ حمد ہے جس میں نعت مصطفیٰ ﷺ ہو اور جو حمد الٰہی نعت مصطفیٰ ﷺ سے خالی ہو وہ مردود ہے۔ شیطان کی تمام عبادتیں مردود کردی گئیں اور تمام کفار کی حمدیں غیر مقبول کیوں؟ اس لئے کہ کلمہ، نماز، اذان غرض یہ کہ کوئی بھی عبادت ہو، حضور ﷺ کی نعت سے خالی نہیں جیسا کہ ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ [الم نشرح:٤] کی تفسیر میں بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے إِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِیْ یعنی، جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں آپ کا بھی ذکر ہوگا۔

نکات:

قبل ازیں محاوراتِ عرب میں الف لام تعریف کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کی روشنی میں الحمد لله کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ جمیع حمد یا حمد مخصوص۔ بہر کیف جو بھی معنی ہو اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وجودِ اللہ ہے یعنی، اللہ موجود ہے کیونکہ حمد ایک صفت ہے اور صفت کا ثبوت موصوف کیلئے ممکن ہی نہیں ہے جب تک کہ موصوف موجود نہ ہو لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ موجود ہے۔ وجودِ باری تعالیٰ کا اقرار ایک فطری امر ہے اور اس کے وجود پر عقل سلیم شاہد ہے

البتہ معاند اور دھریہ وجودِ باری کا قائل نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مشرکین کے ردّ کے ساتھ ساتھ دھریوں کا بھی بیشمار آیات میں ردّ فرمایا ہے ان آیات میں سے ایک آیت یہ ہے۔

﴿ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَآءٍ مَّعِينٍ ۝ ﴾[الملك: ۳۰]

تم فرماؤ اگر تمہارا پانی زمین میں دھنس جائے تو وہ کون ہے جو کہ تمہیں پانی لادے نگاہ کے سامنے بہتا ہوا۔

اس آیت کے ضمن میں مولانا روم علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں ایک دلچسپ اور فکر انگیز واقعہ نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ: جب اس آیت کو ایک دھریہ فلسفی نے سنا تو طنز کرتے ہوئے ہنسا اور کہنے لگا کہ ہم اس پانی کو اپنے آلات اور مشینری کے ذریعہ اوپر لے آئیں گے اس میں کونسی مشکل بات ہے مولانا فرماتے ہیں:

شب بخفت ودید آن یک شیر مرد
زد طمانچہ بر دو چشمش کور کرد

جب وہ سویا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہادر شخص نے آتے ہی اس فلسفی کو زور سے ایک طمانچہ دے مارا، طمانچہ لگتے ہی فلسفی کی دونوں آنکھوں میں سے جو نور کے دو قطرے تھے بہہ گئے اور وہ اندھا ہو گیا اور پھر اس قوی شخص نے کہا

گفت زیں دو چشمہ چشم شقی
با تبر نورے بیا ار صادقی

اے فلسفی! اگر تو سچا ہے اور تیرے آلات کچھ ایسا ہی کمال رکھتے ہیں تو پہلے اپنی ان دو آنکھوں کے چشموں کا پانی واپس لا کر دکھا، وہ فلسفی صبح اُٹھا تو اندھا تھا اور اسکا تمام فلسفہ دھرا رہ گیا۔

وجود باری تعالیٰ کے سلسلے میں علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے تفسیر کبیر (ص ۲۲۱، ج ۱) میں ایک فکر انگیز اور ایمان افروز واقعہ نقل کیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو کہ وجودِ باری تعالیٰ کا منکر تھا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ: کیا تم کبھی جہاز پر سوار ہوئے تو بتاؤ کہ تمہیں کبھی سمندری طوفان سے بھی واسطہ پڑا؟ اس نے کہا: مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ: ایک مرتبہ سمندر کے سخت طوفان میں جہاز پھنس گیا تھا، حضرت امام نے فرمایا کہ: پھر کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ: جہاز غرق ہو گیا اور سب لوگ جو اس پر سوار تھے ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ آپ نے پوچھا: تم کیسے بچ گئے؟ اس نے کہا: مجھے جہاز کا ایک تختہ مل گیا جس کے سہارے میں تیرتا ہوا ساحل کی طرف بڑھا مگر ابھی ساحل سے دور ہی تھا کہ وہ تختہ بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا، پھر میں نے خود ہی کوشش کی اور ہاتھ پاؤں مار کر کسی نہ کسی طرح کنارے پر آ لگا۔ حضرت امام فرمانے لگے: جب تم جہاز پر سوار ہوئے تو تمہیں جہاز پر اعتماد تھا کہ یہ جہاز پار لگا دے گا اور وہ جب ڈوب گیا تو پھر تمہارا اعتماد اور بھروسہ اس تختہ پر رہا جو اتفاقاً تمہیں میسر آیا جب وہ ہاتھ سے چھوٹ گیا تو اب اس بے چارگی کے عالم میں بھی کیا تمہیں یہ امید تھی کہ اب بھی کوئی بچانا چاہے تو میں بچ سکتا ہوں؟ اس نے کہا، ہاں! یہ امید تو تھی، حضرت نے فرمایا: مگر وہ امید کس سے تھی کہ کون بچا سکتا ہے؟ آپ کا ارشاد سن کر دھریہ خاموش ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: یاد رکھو، اس بے چارگی کے عالم میں تمہیں جس ذات پر امید تھی وہی خدا ہے اور اسی نے تمہیں بچا لیا تھا۔ دھریہ یہ سن کر لا جواب ہوا اور حضرت امام کے اس ایمان افروز استدلال کی وجہ سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوا۔

معلوم ہوا اللہ ہے اور یقیناً ہے اور مصیبت کے وقت غیر اختیاری طور پر بھی اللہ کی طرف خیال جاتا ہے، گویا اللہ کی ہستی کا اقرار فطری چیز ہے۔

فوائد و مسائل:

۱) جمعہ کے خطبہ میں حمد پڑھنا واجب ہے۔

۲) چھینک آنے کے بعد حمد کرنا سنت مؤکدہ ہے۔

۳) خطبہ نکاح، دعا اور ہر جائز کام کے اول و آخر میں اور کھانے پینے کے بعد حمد کرنا مستحب ہے۔

۴) علماء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ: الحمد لله رب العالمین تمام کلمات سے افضل ہے یہاں تک کہ لا الہ الا اللہ سے بھی اس لئے کہ اس میں صرف توحید ہے اور الحمد میں توحید بھی ہے اور حمد بھی۔ (قرطبی)

فائدہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پانچ سورتوں کو الحمد للہ سے شروع فرمایا ہے۔

۱) سورۂ فاتحہ ﴿ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴾

۲) سورۃ انعام ﴿ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ ﴾ الخ

۳) سورۃ کہف ﴿ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ ٱلْكِتَٰبَ ﴾ الخ

۴) سورۃ سبا ﴿ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِى لَهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ ﴾ الخ

۵) سورۃ فاطر ﴿ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ﴾ الخ

فائدہ:

''الحمد للہ'' دو دعووں پر مشتمل ہے:

پہلا دعویٰ ـــــ اللہ موجود ہے۔

دوسرا دعویٰ ـــــ اللہ تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔

پہلے دعویٰ کی دلیل رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ہے اور دوسرے دعویٰ کی دلیل اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے اس کی تفصیل رب العالمین کی تفسیر میں ذکر کی جا رہی ہے۔

﴿ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴾

مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کا۔

اس کی تفسیر میں چند امور قابل غور ہیں لفظی تحقیق، تعلق، تفسیر۔

لفظی تحقیق:

رب:

لفظ رب مصدر بمعنی تربیت ہے، یہاں پر بطور اسم استعمال ہوا ہے تربیت کے معنی ہیں۔ هو انشاء الشئ حالاً فحالاً الی حد التمام (راغب) کسی شے کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نشوونما دیتے رہنا یہاں تک کہ وہ حد کمال تک پہنچ جائے۔ ''تفسیر بیضاوی'' میں ہے: وهی تبلیغ الشئ إلی کماله شیئاً فشیئاً۔ ''تفسیر قرطبی'' میں ہے: الرب المصلح والمدبر والجابر والقائم یقال لمن قام باصلاح شئ واتمامه۔ اردو میں اس کا ترجمہ پروردگار سے بھی صحیح ہے۔ ''تفسیر روح المعانی'' میں ہے: تبلیغ الشئ الی کماله وبحسب استعداده إلی زلی شیئاً فشیئاً۔ کسی چیز کو اس کی ازلی استعداد وفطری صلاحیت کے مطابق آہستہ آہستہ مرتبہ کمال تک پہنچانا، خلاصہ یہ کہ عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

۱) مالک آقا

۲) پرورش کرنے والا، خبر گیری کرنے والا، نگہبانی کرنے والا۔

۳) فرماں روا، حاکم، مدبر اور منتظم۔

اللہ تعالیٰ ان سب معنوں میں کائنات کا رب ہے۔

عالمین:

عالَم کی جمع ہے اور علم سے ماخوذ ہے یعنی، نشانی۔ کیونکہ ہر چیز اپنے پیدا کرنے والے کا پتہ دیتی ہے اس لئے عالم کا معنی ما یعلم به الصانع بھی کیا گیا ہے۔

''تفسیر روح البیان'' میں ہے کہ: وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ: عالم اٹھارہ ہزار ہیں۔ مقاتل رازی نے فرمایا کہ: عوالم اسی ہزار ہیں۔ قرطبی نے ابوسعید خدری سے قول نقل کیا ہے کہ: چالیس ہزار ہیں اور یہ دنیا آسمان وزمین وغیرہ ان میں سے ایک ہے عالم ارواح، عالم اجسام، عالم امکان، عالم سفلی، عالم علوی، عالم ملکوت، عالم ناسوت، عالم جنات، عالم انسان، عالم

ملائکہ، عالَم برزخ وغیرہ یہ دنیا ان تمام عالموں میں سب سے چھوٹا عالم ہے۔ جنت جو کہ ایک عالَم ہے، اس کی وسعت اتنی ہے کہ تمام زمین وآسمان اس میں رکھے جاسکتے ہیں۔ جہنم بھی ایک عالَم ہے اس کی گہرائی کا یہ عالَم ہے کہ اگر ایک پتھر اس کے کنارے سے پھینکا جائے تو ستر سال میں اس کی تہہ تک پہنچے حالانکہ وہی پتھر آسمان سے پھینکا جائے تو بارہ گھنٹے سے پیشتر زمین پر آجائے گا۔

علاوہ ازیں "تفسیر روح البیان" میں ہے کہ: انسانوں کی ایک سو چھبیس قسمیں ہیں۔ بعض وہ ہیں کہ جن کے کان ہاتھی کے کان کی طرح ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کے پاؤں میں چلنے کی طاقت نہیں۔ بعض وہ ہیں جن کی آنکھیں ان کے سینوں پر ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ عالموں کی صحیح تعداد کا ہمیں علم نہیں ہے تو اس کے نظام ربوبیت کو کماحقہ کیسے جان سکتے ہیں؟

تعلق:

اس کلمے کا الحمد للہ کے ساتھ تعلق اسی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے چار قسم کے لوگ ہیں۔

۱) ایک ــــ وہ جو کہ رضاءِ الٰہی کے لئے رب کی تعریف کرتے ہیں اور کوئی منفعت ان کے پیش نظر نہیں رہتی۔

۲) دوسرا ــــ گروہ وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے احسانات کی وجہ سے اس کی حمد کرتے ہیں جیسے عام شکر گزار بندے۔

۳) تیسرا ــــ وہ گروہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال کی وجہ سے اس کی تعریف کرتے ہیں۔

پہلے گروہ کے متعلق الحمد لله فرمایا گیا اور دوسرے کے لئے رب العالمین یعنی، چونکہ وہ تمہیں برابر پال رہا ہے اس لئے اس کی حمد کرو۔ تیسرے گروہ کے لئے فرمایا گیا الرحمن الرحیم یعنی، وہ چونکہ تم پر آئندہ رحم فرمائے گا اس لئے اس کی حمد کرو اور چوتھے گروہ کے لئے فرمایا

مالك یوم الدین یعنی، چونکہ وہ شہنشاہ ہے اسے ہر لحاظ سے تم پر قدرت ہے اس لئے اس سے ڈرو اور اس کی حمد کرو۔

تفسیر:

معنی کے لحاظ سے رب العالمین کا معنی ہے تمام جہانوں کو پالنے والا۔ اس معنی میں نہایت ہی وسعت ہے کہ جب سے عالَم ہے اور جب تک رہے گا اس کی ربوبیت کی بارش ان پر برستی رہے گی۔ ربوبیت اپنے مصداق کے لحاظ سے دو قسم کی ہے۔ ربوبیت عامہ اور ربوبیت خاصہ، ربوبیت عامہ کا تعلق ان نعمتوں سے ہے جو سب کو بلا فرق مل رہی ہیں۔ جیسے دھوپ، ہوا، زمین، آسمان کا سایہ وغیرہ اور ربوبیت خاصہ کا تعلق ان نعمتوں سے ہے جو خاص خاص لوگوں کو بہت سے فرق کے ساتھ عطا کی جارہی ہیں جیسے رزق، اولاد، مال، عزت، حکومت۔ لیکن یہ نعمتیں صرف جسم کو فیض پہنچاتی ہیں۔ روح سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ حکمت الٰہی کا تقاضا تھا کہ کوئی نعمت اس کی ایسی بھی ہو جو اس کی ربوبیت کو کامل طور پر ظاہر کرے۔ ہر جگہ، ہر وقت، ہر چیز کو یکساں فیض عام بھی پہنچائے اور خاص خاص کو خاص فیض بھی۔ اس نعمت الٰہیہ کا نام اور مظہر اتم کا اسم شریف ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ یہی وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کو رب العالمین نے رحمۃ للعالمین بنایا یعنی، جس قدر رب العالمین کی ربوبیت میں وسعتیں ہیں اسی قدر رحمت عالم کی رحمت میں وسعت ہے بلکہ رب کی ربوبیت حضور ﷺ کے ذریعہ سب کو پہنچتی ہے۔ غوثیت، قطبیت، ولایت، اور شہادت وغیرہ آپ کے دربار، دُربار سے ہی تقسیم کی جاتی ہے۔

﴿ اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۲ ﴾

بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا۔

اس کی تفسیر میں چند امور قابل غور ہیں۔ تعلق، لفظی معنی، فائدہ۔

تعلق:

رب العالمین میں ارشاد تھا کہ وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے تو اس میں احتمال تھا کہ شاید وہ پالنے پر مجبور ہو جیسے بادشاہ اپنی رعایا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انہیں پالنے، ان کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے مجبور ہوتا ہے تاکہ اس کا اقتدار محفوظ رہے یا کوئی شخص اپنے گھریلو جانوروں کو پالنے پر اس لئے مجبور ہوتا ہے کہ اس کے امور زندگی متاثر نہ ہوں تو الرحمٰن الرحیم فرما کر اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ وہ تمام جہانوں کو پالنے پر مجبور نہیں ہے بلکہ اس نے تمام کائنات کی پرورش اور تربیت کا انتظام محض اپنے فضل اور رحمت سے فرمایا ہے۔ اس میں اسے کسی قسم کی مجبوری لاحق نہیں ہے۔

لفظی معنی:

رحمٰن اور رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ ان کے لفظی معنی مفصل طور پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ ان کا ماخذ رحمت ہے اور رحمت الٰہی سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ انعام، اکرام اور رحمتیں ہیں جو کہ مخلوق کو بلا واسطہ یا بالواسطہ حاصل ہوں۔ اگر رحمتیں بلا واسطہ عطا فرمائی جائیں تو وہ بایں معنی رحمٰن ہے اور اگر بالواسطہ ہوں تو وہ بایں معنی رحیم ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ اکثر جاندار چیزیں اپنے ماں باپ کے ذریعہ پرورش پاتی ہیں لیکن کوے کی تربیت اس سے مختلف ہے کوے کا بچہ جب انڈے سے باہر نکلتا ہے تو اس کی ماں اسے گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ اس کے کھانے کیلئے اس پر مچھر جمع ہو جاتے ہیں وہ ان کو لقمہ بنالیتا ہے، اسی طرح اس کی پرورش ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے جسم پر پَر آ جاتے ہیں تب ماں اسے پالتی ہے (تفسیر روح البیان، تفسیر کبیر)

تو اس تربیت کی دونوں صورتیں مختلف ہیں۔ پہلی صورت میں صفت رحیمیت کا ظہور ہے اور دوسری صورت میں رحمانیت کا ظہور ہے۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ: میں ایک دن دریائے نیل کے کنارہ پر پہنچا۔

میں نے دیکھا کہ ایک بچھو دوڑتا ہوا دریا کی طرف آ رہا ہے جب وہ دریا کے کنارے پر پہنچا تو فوراً ایک کچھوا کنارے آ گیا وہ بچھو اس پر سوار ہوا اور کچھوا اسے لے کر دریا کے دوسرے کنارے کی طرف چل دیا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ کچھ دور جا کر دیکھا کہ ایک نوجوان شخص کے قریب زہریلا سانپ ہے جو اس کو کاٹنا چاہتا ہے اس بچھو نے سانپ پر حملہ کیا اور سانپ نے بچھو پر۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے زہر سے مر گئے اور وہ جوان بچ گیا۔

ہم بھی دن میں اپنی حفاظت خود کرتے ہیں لیکن رات کے وقت سونے کی حالت میں ہماری حفاظت اللہ کے سوا کون کرتا ہے۔

فائدہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب کے آغاز میں صفت رحمانیت اور رحیمیت کا ذکر فرمایا ہے اور کسی صفت کا ذکر نہیں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا پر اس حقیقت کو واضح کر دیا جائے کہ بندہ کا اپنے رب کے ساتھ جو تعلق ہے اس کا دار و مدار رحمت و محبت پر ہے نہ کہ رُعب و دبدبہ پر۔ نیز یہ بھی واضح کرنا مقصود ہے کہ اسلام کا اللہ خونخوار نہیں ہے جیسا کہ بعض حق ناشناس لوگوں نے کہا بلکہ وہ الرحمٰن ہے اس کی رحمت کا دامن وسیع ہے جس نے اپنی آغوش لطف و کرم میں کائنات کے ذرہ ذرہ کو لیا ہوا ہے اور الرحیم ہے کہ اس کی رحمت کا بادل ہر وقت برستا ہی رہتا ہے۔

﴿ مَٰلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿٤﴾ ﴾

مالک ہے روز جزا کا

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تین امور قابل ذکر ہیں ۱) تعلق، ۲) لفظی تحقیق، ۳) فائدہ۔

تعلق:

اس آیت کریمہ سے قبل اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور رحمت کا ذکر فرمایا تو سننے والے کے دل میں امید کا دریا موجیں مارنے لگا۔ اب ضرورت تھی کہ اس کے دل میں رب کا خوف پیدا

کیا جائے تاکہ امید رحمت کے احساس کے ساتھ اس کے دل میں خوف خدا بھی پیدا ہو، تاکہ اس کا ایمان مکمل ہو سکے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے الإِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ یعنی، ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔

لفظی تحقیق:

مالک:

''تفسیر بیضاوی'' میں ہے: المالك هو المتصرّف فی الأعیان المملوكة وہ ہستی جو اپنے مُلک میں جو چاہے کر سکے یعنی، اسے پورے اختیارات حاصل ہوں۔ مجرم کو چاہے تو بخش دے چاہے تو سزا دے، کوئی اس سے باز پرس کرنے والا اور کوئی اس پر حاکم نہیں۔

اس مقام پر علامہ رازی نے ''تفسیر کبیر'' میں روایت نقل کی ہے کہ: قیامت میں بارگاہِ الٰہی میں ایک شخص کو پیش کیا جائے گا اور اسے اس کا اعمال نامہ ملاحظہ کرایا جائے گا تو وہ اپنے اعمال نامہ میں ایک بھی نیکی نہیں پائے گا۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ حکم دے گا، یا فلان! أدخل الجنة بعملك۔ اے فلاں! تو جنت میں داخل ہو جا اپنے عمل سے۔ وہ عرض کرے گا کہ: یا اللہ! میں نے کون سا عمل کیا ہے جس کی وجہ سے مجھے جنت میں داخل کیا جا رہا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ: ایک رات تو سویا ہوا تھا اس حال میں تو نے جب کروٹ بدلی تو اس وقت تو نے کہا ''اللہ''، اس کے بعد تو مجھے بھول گیا، لیکن میں نے تیرے اس عمل کو فراموش نہیں کیا، اس لئے کہ مجھے نہ تو نیند آتی ہے اور نہ اونگھ۔

یوم:

عربی میں دن کو کہتے ہیں اور دن آفتاب کی حرکت سے بنتا ہے۔ قیامت کے دن آفتاب کی حرکت نہ ہوگی اس لئے یہاں یوم سے مراد وقت ہے یعنی، اللہ تعالیٰ قیامت کے سارے وقت کا مالک ہے۔

الدین:

دین کا لفظ قرآن مجید میں کئی معنوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

۱...... شریعت، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَفَغَيْرَ دِينِ ٱللَّهِ يَبْغُونَ ﴾ [آل عمران: ۸۳]

کیا اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے علاوہ اور کسی شریعت کے طالب ہیں۔

۲...... ملکی قانون، مثلاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ ٱلْمَلِكِ ﴾ [یوسف: ۷۶]

اس کو بادشاہ کے قانون کی رو سے یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ اپنے بھائی کو روک سکے۔

۳...... اطاعت، مثلاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَهُۥ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَلَهُ ٱلدِّينُ وَاصِبًا﴾ [النحل: ۵۲]

اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کی اطاعت ہمیشہ لازم ہے۔

۴...... جزا، مثلاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ۝ وَإِنَّ ٱلدِّينَ لَوَٰقِعٌ ۝﴾ [الذاریات: ۵-۶]

جس کی تمہیں دھمکی سنائی جا رہی ہے وہ سچ ہے اور جزاء واقع ہو کر رہے گی۔

اس آیت کریمہ میں دین سے مراد جزا ہے یعنی، اللہ تعالیٰ روز جزاء کا مالک ہے اور قیامت کو روز جزاء اسی لئے کہا جاتا ہے کہ دنیا دارُ العمل ہے اور قیامت دارُ الجزاء ہے۔ انسان دنیا میں عمل کرتا ہے اسے ہر عمل کی مکمل جزاء دی جائیگی۔ نیک اعمال کے بدلے اسے ثواب عطا کیا جائیگا اور برے اعمال کا صلہ عذاب کی صورت میں ہوگا۔ یہ سب کچھ صفت عدل کا مقتضی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ صفت عدل کے بغیر اللہ تعالیٰ کی صفات ربوبیت اور رحمت کا کامل ظہور ہو ہی نہیں سکتا۔

فائدہ:

یہاں پر دو امور قابل غور ہیں:

۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ تو آج بھی مالک ہے اور اس کی ملکیت کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کی ملکیت ظاہر پر بھی ہے باطن پر بھی، زندہ پر بھی ہے مردہ پر بھی اور اس کی ملکیت کی نہ ابتداء ہے اور نہ ہی انتہاء اور وہ کل کائنات کو اپنی ملکیت کے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ کل بھی وہ مالک تھا، آج بھی وہ مالک ہے اور روز قیامت میں بھی مالک ہوگا تو پھر اس آیت میں روز جزاء کے ساتھ ملکیت کی کیوں تخصیص کی گئی؟ مفسرین کرام نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں لیکن سب سے عمدہ جواب یہ ہے کہ اس روز اس کی صفت مالکیت کا مشاہدہ وتحقیق بڑے سے بڑے منکر کو بھی ہوکر رہے گا جب کہ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کی پکار ہو رہی ہوگی اور ہر طرف سناٹا چھایا ہوا ہوگا اور اس وقت کسی حاکم، بادشاہ اور صاحب اقتدار کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی تو وحدہ قدوس خود ہی اس کے جواب میں فرمائے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ آج کے دن اللہ کی بادشاہی ہے جو کہ ایک ہے اور غالب ہے۔

۲) یہ کہ مالك يوم الدين سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قیامت کے روز کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا یا کسی کی شفاعت کام نہیں آئے گی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ: قیامت کے دن کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے لیکن انبیاء کرام اور اولیاء کرام اور علماء اس لئے شفاعت نہ کریں گے کہ وہ مالک حقیقی ہیں بلکہ اس حیثیت سے وہ شفاعت کریں گے کہ وہ مالک حقیقی کے پیارے ہیں اور ان کی بات وہاں پر سنی جاتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ: لوگ عذابِ محشر سے نجات حاصل کرنے کے لئے تمام انبیاء کے پاس جائیں گے اور سب سے آخر میں سرکار مدینہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾

خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

ابن کثیر نے کہا، قال بعض السلف الفاتحة سرّ القرآن وسرّها هذا الكلمة یعنی، قرآن کا لب لباب سورۂ فاتحہ ہے اور سورۂ فاتحہ کا لب لباب یہ آیت ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل امور قابل توضیح ہیں۔ ۱) تعلق، ۲) لفظی معنی، ۳) تفسیر، ۴) فوائد۔

تعلق:

اياك نعبد کا ماقبل کی آیات کے ساتھ جو تعلق ہے وہ دو طرح کا ہے۔

اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قبل ازیں اپنے پانچ نام بیان فرمائے ہیں اللہ، رحمٰن، رحیم، رب اور مالک۔ تو گویا یوں فرمایا کہ: ہم نے تمہیں پیدا فرمایا اس لئے ہم اللہ ہیں۔ پیدا کرنے کے بعد تمہاری پرورش کی لہٰذا ہم رب ہیں۔ تم نے گناہ کئے اور ہم نے چھپائے لہٰذا ہم رحمان ہیں، تم نے توبہ کی اور ہم نے اسے قبول کرتے ہوئے گناہوں کو معاف کیا، لہٰذا ہم رحیم ہیں، تم ہمارے قبضہ میں ہو اور جزاء کا دن بھی آنے والا ہے لہٰذا ہم مالک ہیں۔ لہٰذا وہ ذات جس میں یہ تمام صفات ہوں وہی عبادت کے لائق ہے لہٰذا اے بندو! تم کہو: اياك نعبد۔

دوم: یہ کہ انسان کے تین احوال ہیں ماضی، حال اور مستقبل۔ انسان ان تین حالتوں میں اپنے رب کا محتاج ہے۔ ماضی میں اس طرح کہ وہ معدوم تھا کہ اسے موجود کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِن قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا﴾ [مریم:۹] میں نے تجھے پیدا کیا حالانکہ تو کچھ بھی نہ تھا لہٰذا ہم اللہ ہیں اور پیدا کرنے کے بعد تو کمانے کے قابل نہ تھا ہم نے تجھے رزق دیا اور تمہاری پرورش کی لہٰذا ہم رب ہیں اور پرورش کے بعد موجودہ حالت میں ہر آن اور ہر طرح سے انسان اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اپنے رب کا محتاج ہے اس لئے ہم رحمٰن اور رحیم ہیں۔ اس کے بعد مستقبل (قبر وحشر) میں بھی اپنے رب کے محتاج ہیں اس لئے مالك يو م الدين ہیں۔

تو ان آیات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور یہ امر نکھر کر سامنے آ جاتا ہے کہ انسان ہر حالت میں اپنے رب کا محتاج ہے اور وہ اپنے فضل وکرم سے اس کی ضروریات اور حاجات کو پورا فرماتا ہے۔ لہٰذا وہ ذات جس کے کرم کا انسان ہر لمحہ محتاج ہو تو وہ ذات ہی عبادت کی مستحق ہے۔

اسی لئے ان آیاتِ طیبات کے بعد ایاك نعبد فرمایا گیا کہ خاص ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

لفظی معنی:

نعبد:

عبد سے بنا ہے جس کے لغوی معنی ہیں ''اظہار عجز'' اسی لئے عام راستہ کو عربی محاورہ میں طریق معبد کہتے ہیں کیونکہ ہر ایک کے پاؤں کے نیچے آتا ہے (تفسیر کبیر) اصطلاح شریعت میں نعبد ''عبادۃ'' سے مشتق ہے یا ''عبودۃ'' سے، عبودۃ کے معنی ہیں عبد بننا یعنی، کسی کا غلام بننا اور عبادت کے معنی ہیں: انها غاية التذلّل یعنی، تذلل، انکسار اور افتقار کے آخری مرتبہ کو عبادت کہتے ہیں (راغب، کشاف) یعنی، کسی کی انتہائی تعظیم ومحبت کی وجہ سے اس کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی اور فرمان برداری کا اظہار۔

عبادت میں شرط یہ ہے کہ: کسی کو اللہ یا اللہ کا حصہ دار مان کر اس کی اطاعت اور انتہائی تعظیم کرنا۔ جب تک یہ نیت نہ ہو تب تک اسے عبادت نہیں کہا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بت پرست بت کو سجدہ کی وجہ سے مشرک ہے اور مسلمان کعبہ کو سجدہ کرنے کے باوجود موحد ہے حالانکہ کعبہ بھی پتھروں سے بنا ہوا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ بت پرست بت کو خدا سمجھتے ہوئے اس کی تعظیم کرتا ہے اور موحد مسلمان کعبہ کو خدا نہیں سمجھتا بلکہ کعبہ کی طرف سجدہ کرنے سے اس کا مقصود اپنے رب کو سجدہ کرنا ہے۔

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ عابد واحد ہے لیکن صیغہ جمع کا استعمال ہو رہا ہے اس میں نکتہ یہ ہے کہ: اپنی ناقص عبادت کو مقربین بارگاہ صمدیت کی اخلاص و نیاز میں ڈوبی ہوئی عبادت کے ساتھ پیش کرے تا کہ ان کی برکت سے اس کی عبادت کو بھی شرف پذیرائی نصیب ہو۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل توضیح ہے کہ نماز میں کسی کو خطاب کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کو خطاب کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، جیسے ایاك نعبد وایاك نستعین اور السلام علیك ایها النبی الخ

روح عبادت:

عبادت کی روح اور اس کی تکمیل اس میں ہے کہ: انسان صرف اور صرف اپنے رب کی رضا کیلئے عبادت کرے۔ عبادت سے اس کا مطمع نظر حصولِ جنت نہ ہو اور دوزخ سے نجات نہ ہو، اسی لئے ارشاد فرمایا: ''ایاك نعبد'' اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں یعنی، عبادت سے مقصود صرف تیری ہی ذات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کی نیت میں کہا جاتا ہے کہ نماز واسطے اللہ کے نہ کہ جنت کے حصول یا جہنم سے بچنے کے واسطے۔ اس حقیقت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر وہ کام جس میں رضائے الٰہی اور رضائے رسول ہو وہ عبادت ہے اور جس میں رضا نہ ہو وہ عبادت ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضور ﷺ کی نیند پر نماز قربان کر دی اور طلوعِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنا گناہ ہے اس لئے کہ اس میں اللہ ورسول کی رضا نہیں ہے علاوہ ازیں عبادت میں ضروری ہے کہ اس میں اخلاص ہو اور ریاکاری سے خالی ہو۔

حضرت حاتم اصم علیہ الرحمۃ سے ایک بزرگ عصام علیہ الرحمۃ نے پوچھا کہ: آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟ حضرت حاتم اصم علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ: جب نماز کا وقت آتا ہے تو پہلے اطمینان سے اچھی طرح وضو کرتا ہوں، پھر مسجد چلا جاتا ہوں اور نہایت اطمینان سے کھڑا ہوتا ہوں کہ گویا بیت اللہ میرے منہ کے سامنے اور میری دونوں ابروؤں کے درمیان ہے۔ میرا پاؤں پل صراط پر ہے، بہشت میری دائیں جانب ہے اور دوزخ بائیں جانب، موت میرے پیچھے کھڑی ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے۔ پھر شاید کوئی نماز میسر نہ ہو۔ کل کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس کے بعد نہایت عاجزی کے ساتھ تکبیر کہتا ہوں پھر پوری ہیبت کے ساتھ قرآن پاک پڑھتا ہوں۔ نہایت عجز کے ساتھ رکوع کرتا ہوں۔ نہایت تضرع کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں۔ نہایت حلم کے ساتھ قعود کرتا ہوں اور شکر کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اپنی نماز کے قبول ہونے کی امید رکھتا ہوں اور اپنے اعمال کے مردود ہو جانے کا خوف کرتا ہوں۔ حضرت عصام علیہ الرحمۃ نے پوچھا کہ کتنی مدت سے آپ ایسی نماز پڑھتے ہیں؟ فرمایا: تیس

(۳۰) برس سے یہ سن کر عصام علیہ الرحمۃ رونے لگے کہ مجھے آج تک ایک بھی ایسی نماز نصیب نہیں ہوئی۔

ثمرۂ عبادت:

انسان جب اخلاص اور رضائے حق کے لئے عبادت کرتا ہے تو اسے ایک تو یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی تاریکی سے نکل کر جمالِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے جیسا کہ ''حدیث احسان'' میں ہے اور دوسرا یہ کہ اس کے دل کو چین حاصل ہوتا ہے۔ ''تفسیر عزیزی'' میں ہے کہ: حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے کسی عضو میں زخم تھا، جس کی وجہ سے اس عضو کو کاٹنے کی ضرورت تھی مگر سخت تکلیف کی وجہ سے وہ اس پر آمادہ نہ تھے، جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ عضو کاٹ دیا گیا اور ان کو احساس تک نہ ہوا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت شیخ ابوالخیر علیہ الرحمۃ کے ہاتھ میں ایک موذی پھوڑا نکل آیا کہ ہاتھ کاٹ دینے کے سوا کوئی علاج نہ تھا۔ جراحوں نے کہا ہاتھ کٹوا دیجئے۔ آپ اس پر رضامند نہ ہوئے آپ کے مریدوں نے جراح سے کہا کہ شیخ جب نماز میں مشغول ہوں تو تم ہاتھ کاٹ دینا چنانچہ جراح نے نماز کی حالت میں ہاتھ کاٹ دیا اور آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔ معلوم ہوا کہ نماز بے چین دلوں کو سکون عطا فرماتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ: اے محبوب! ہم جانتے ہیں کہ کفار کی باتوں سے آپ کے دل کو دکھ پہنچتا ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾﴾ [الحجر:۹۸-۹۹] معلوم ہوا کہ عبادت دنیوی تکلیفوں کا علاج ہے۔

اقسامِ عبادت

عبادت صرف نماز روزے کا نام نہیں، امام غزالی نے اپنی کتاب اربعین میں عبادت کی دس قسمیں لکھی ہیں:

۱) نماز، ۲) زکوٰۃ، ۳) روزہ، ۴) حج، ۵) تلاوت قرآن، ۶) ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنا، ۷) حلال روزی کے لئے کوشش کرنا، ۸) پڑوسی اور ساتھی کے حقوق ادا کرنا، ۹) لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرنا اور برے کاموں سے منع کرنا، ۱۰) رسول اللہ کی سنت اتباع کرنا۔

﴿ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٥﴾ ﴾

اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

اس کی تفسیر کے ضمن میں چند امور قابلِ غور ہیں تعلق، لفظی تحقیق اور تفسیر

تعلق:

اس کا تعلق ایاك نعبد کے ساتھ چند طرح ہے:

اول: قبل ازیں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی گئی اور اپنی بندگی کا اظہار کیا گیا۔ اب اس سے دعا مانگی جارہی ہے اور یہ امر واضح ہے کہ دعا بغیر وسیلہ کے نہیں مانگی جاتی اس لئے اس سے پہلے عبادت کا ذکر کیا گیا اور بعد میں دعا کا، گویا بندہ یہ گزارش کر رہا ہے کہ: اے اللہ! ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور عبادت کے وسیلہ سے تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی)

دوم ہر عبادت کے لئے کچھ ظاہری شرائط ہیں جن کے بغیر عبادت ادا نہیں ہوتی اور کچھ باطنی شرائط ہیں جن کے بغیر عبادت کو بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت حاصل نہیں ہوتا، جیسے نماز عبادت ہے اس کے ظاہری شرائط میں وضو ہے کہ اس کے بغیر نماز ادا نہیں ہوسکتی اور دل میں خضوع وخشوع کا ہونا اور ریا اور فخر وغیرہ سے اس کا پاک ہونا۔ یہ باطنی شرائط ہیں کہ ان کے بغیر نماز بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں ہوتی۔ ظاہری شرائط انسان کے بس میں ہوتی ہیں اور باطنی شرائط اس کے بس میں نہیں ہوتی ہیں کیونکہ دل کا حاضر ہونا اور خیالات کا پاک وصاف ہونا انسان کے قابو سے باہر ہے اس لئے پہلے عرض کیا گیا ایاك نعبد یعنی، ہم ظاہری شرائط ادا کر کے تیری عبادت کرتے ہیں اور باطنی شرائط کے سلسلہ میں تیری مدد چاہتے ہیں جسے ایاك نستعین کے ذریعہ واضح کیا گیا۔

قبل ازیں عبادت کا ذکر تھا اب عرض کیا جارہا ہے کہ: اس عبادت کا رب کی بارگاہ تک

بخیریت پہنچ جانا اور مقبول ہونا یہ رب ہی کے کرم پر موقوف ہے کیونکہ بہت سے ایسے عارضے پیش آ جاتے ہیں کہ جن سے سارا کیا دھرا برباد ہو جاتا ہے۔ تو عرض کیا کہ اے اللہ! ہم نے عبادت کردی ہے اور آئندہ اس کی حفاظت میں تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔

لفظی تحقیق:

نستعین

استعانت سے مشتق ہے۔ یہ باب استفعال ہے جو کہ طلب فعل کیلئے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استعانت کا معنی مفسرین نے "طلب المعونة" سے کیا ہے یعنی، مدد طلب کرنا۔ (خازن)

اس بناء پر وایاك نستعین کا معنی ہوگا ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ رہا یہ امر کہ ہم کس چیز میں مدد مانگتے ہیں تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ: ہم صرف عبادت میں تجھی سے مدد مانگتے ہیں جیسا کہ سیاق اس پر دال ہے دوسرا قول یہ ہے کہ: ہم تمام دینی اور دنیوی امور میں تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں۔

تفسیر:

وایاك نستعین سے قبل فرمایا: ایاك نعبد یعنی، ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور کسی کی عبادت نہیں کرتے تو عقلی اور طبعی طور پر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ جو ذات ہماری تمام عبادات کی لائق اور مستحق ہے، اور وہی ذات اس امر کی مستحق ہے کہ اس سے ہی تمام دینی اور دنیوی امور میں مدد طلب کی جائے اور اسے ہی حقیقی مددگار، حقیقی کارساز اور مستقل بالذات مستعان سمجھا جائے۔ اس میں مشرکین مکہ کا بھی ردّ ہے جو کہ بعض کاموں میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے تھے اور بعض امور میں غیر اللہ سے، لیکن مسلمان کا یہ اعتقاد ہے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ ہی حقیقی مددگار ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس عالمِ اسباب و وسائل سے صرف نظر کر لیا جائے اور یہ سمجھ لیا جائے کہ چونکہ ہر کام میں اسی سے مدد طلب کرنی ہے لہٰذا بیماری کے وقت علاج، حصولِ رزق کے لئے وسائل معاش کی تلاش اور حصولِ علم کے لئے صحبت استاد کی ضرورت نہیں ہے اس فہم و فکر اور بے پر کی سوچ

کا اسلام اور توحید سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ جو ذات شافی، رازق اور علیم ہے اسی نے ہی شفاء تجارت اور علم وغیرہ کو اسباب و وسائل سے وابستہ کر دیا ہے اور اسی نے ہی ان اسباب میں تاثیر رکھی ہے لہٰذا ان اسباب کی طرف رجوع استعانت بالغیر نہیں ہے ہم بیماری کے علاج کے لئے طبیب کے محتاج ہیں۔ اگر ان کی مدد شامل حال نہ ہو تو شفاء، رزق اور حصول علم عام حالات میں ممکن نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی مدد دو طرح کی ہے یا بالواسطہ اور بلا واسطہ۔ بلا واسطہ مدد تو ظاہر ہے اور بالواسطہ مدد کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت دعا کی ہے جو کہ تمام اسباب میں سے قوی تر اور اثر آفرین ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلدُّعَاءُ یَرُدُّ الْقَضَاءَ کہ دعا تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کے ساتھ یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی عاجزانہ التجاؤں اور دعاؤں کو ضرور شرف قبولیت بخشے گا۔ چنانچہ ایک حدیث قدسی میں ہے جسے امام بخاری اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے: لَئِنْ سَأَلَنِیْ لَأُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَأُعِیْذَنَّهٗ اگر میرا مقبول بندہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور اس کا سوال پورا کروں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو میں ضرور اسے پناہ دوں گا۔ تو اب اگر محبوبان بارگاہ الٰہی سے خصوصاً جناب حبیب کبریاء علیہ التحیۃ والثناء کے حضور میں کسی نعمت کے حصول یا کسی مشکل کے حل کے لئے التماس دعا کی جائے تو یہ استعانۃ بالغیر اور شرک نہیں بلکہ عین اسلام اور عین توحید ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کو محض واسطۂ رحمت الٰہی سمجھتے ہوئے اور غیر مستقل امور میں مدد طلب کی جائے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے جیسا کہ ''تفسیر عزیزی'' اور ''حاشیہ قرآن مجید'' میں مولوی محمود الحسن دیوبندی نے اس کی تصریح کی ہے۔

فائدہ:

سطور بالا سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ وایاك نستعین کا مفہوم یہ ہے کہ ہم حقیقی

کارساز اور مستقل بالذات سمجھتے ہوئے تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور تیرا غیر اس قابل ہی نہیں ہے کہ اسے حقیقی کارساز اور مستقل بالذات سمجھتے ہوئے۔ اس سے مدد طلب کی جائے اگر آیت کا یہ مفہوم مراد نہ لیا جائے بلکہ یہ کہا جائے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر خدا سے کسی قسم کی مدد مانگنا ناجائز ہے تو اس عقیدہ کی بناء پر دنیا میں کوئی بھی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا اس لئے کہ انسان ہر قدم پر اور ہر لمحہ بندوں کی مدد کا محتاج ہے۔ بچہ دائی کی مدد سے پیدا ہوتا ہے، ماں باپ کی مدد سے پرورش پاتا ہے۔ استاد کی مدد سے سیکھتا ہے، مالداروں کی مدد سے زندگی گزارتا ہے، سکرات الموت کے وقت رشتہ داروں کی تلقین کی مدد سے ایمان سلامت لے جاتا ہے، غسل دینے والے کی مدد سے اسے غسل ملتا ہے درزی کی مدد سے کفن ملتا ہے، گورکن کی مدد سے اسے قبر ملتی ہے، مسلمانوں کے مدد سے زیر زمین دفن ہوتا ہے اور رشتہ داروں کی مدد سے اسے ایصال ثواب ہوتا ہے۔ پھر ہم کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کسی سے مدد نہیں مانگتے۔ رہا یہ کہ غیر خدا سے مدد مانگنے کا قرآن واحادیث اور اقوالِ علماء سے ثبوت تو اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

قرآنی آیات

قرآن مجید کی بیشمار آیات ایسی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غیر خدا سے مدد مانگنا جائز ہے ان میں سے ہم چودہ آیات پیش کر رہے ہیں:

۱- ﴿وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ [البقرة:۲۳]

اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

۲- ﴿قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ﴾ [آل عمران:۵۲]

اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دین کے لئے غیر اللہ سے مدد طلب کی۔

۳- ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة:۲]

اور نیک کاموں اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

۴- ﴿إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ﴾ [محمد:۷]

اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔

اس آیت میں رب تعالیٰ جو کہ خود غنی ہے اپنے بندوں سے مدد طلب کر رہا ہے۔

۵- ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ﴾ [آل عمران:۸۱]

تم ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور ان کی مدد کرنا۔

عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح انبیاء کو جمع فرما کر ان سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا فرماؤں پھر تمہارے پاس تشریف لائیں وہ رسول جو تصدیق کرنے والے ہوں ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو ضرور ضرور ایمان لانا ان پر اور ضرور ضرور مدد کرنا ان کی، اس کے بعد فرمایا کہ: تم نے اقرار کرلیا اور اُٹھالیا تم نے اس پر بھاری ذمہ سب نے عرض کیا ہم نے اقرار کیا، اللہ نے فرمایا: تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ اس کے بعد جو کوئی اس عہد سے پھرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر اس کی موجودگی میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوں تو اس نبی پر لازم ہے کہ وہ حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان لاکر آپ کی امت میں شمولیت کا شرف حاصل کرے اور ہر طرح حضور ﷺ کے دین کی تائید ونصرت کرے اور تمام انبیاء نے یہی عہد اپنی اپنی امتوں سے لیا۔

علامہ محمود آلوسی اپنی تفسیر "روح المعانی" میں فرماتے ہیں:

"ومن هنا ذهب العارفون إلى أنّه صلى الله تعالىٰ عليه واله وسلم هو النبي المطلق والرسول الحقيقي والمشرع بالإستقلال وأن من سواه من الأنبياء

"علیھم الصلوۃ والسلام فی حکم التبعیتہ لہ صلی اللہ علیہ وسلم"

یعنی، اس لئے عارفین نے فرمایا کہ: نبی مطلق رسول حقیقی اور مستقل شریعت کے لانے والے حضور نبی کریم ﷺ ہیں اور جملہ دیگر انبیاء حضور علیہ السلام کے تابع ہیں۔

معراج کی رات تمام انبیاء کرام کا بیت المقدس میں مجتمع ہو کر حضور ﷺ کی امامت میں حضور ﷺ کی شریعت کے مطابق نماز ادا کرنا اس عظیم القدر عہد کی عملی توثیق تھی اور امام الانبیاء ﷺ کی عظمت شان اور جلالت قدر کا صحیح اندازہ قیامت کے دن ہوگا جب کہ ساری مخلوق لرزہ براندام ہوگی اور حضور ﷺ لواءِ حمد لئے ہوئے مقام محمود پر فائز ہوں گے۔

اس آیت کریمہ میں ہمارے دعویٰ کی دلیل ولتنصرنہ ہے یعنی، انبیاء سے حضور ﷺ کی تائید و مدد کا عہد لینا، اگر غیر اللہ سے مدد طلب کرنا ناجائز ہوتا تو اس قسم کا عہد نہ لیا جاتا۔

۶- ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱسْتَعِينُواْ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ﴾

[البقرۃ:۱۵۳]

اے ایمان والو! مدد طلب کرو صبر اور نماز سے۔

یہ آیت بھی ان دلائل قرآنیہ میں سے ہے جن میں غیر خدا سے مدد طلب کرنے کا جواز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی امت کو خیر الامم کے لقب سے سرفراز فرما کر دنیا کی امامت کا اسے شرف عطا فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے انہیں بیشمار مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: ان تکالیف اور مشکلات کے وقت صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ اگر تم نے صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑا اور نماز کے ذریعہ اپنی بندگی کے تعلق کو پختہ بنایا تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ: سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی سخت مہم پیش آتی تو حضور ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ نماز سے مدد طلب کرنے کے لئے کہا گیا ہے، جو کہ غیر خدا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ غیر خدا سے مدد طلب کرنا جائز ہے اور یہ استعانت بغیر اللہ، ایاک نستعین کے

منافی نہیں ہے۔

۷- ﴿فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ﴾ [الکھف:۹۵]

پس مدد کرو میری قوت کے ساتھ۔

ذوالقرنین جن کا نام اسکندر ہے، حضرت خضر علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ انہوں نے اسکندریہ بنایا اور اس کا نام اپنے نام سے رکھا۔ حضرت خضر علیہ السلام ان کے وزیر تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح روئے زمین پر ان کی بادشاہی تھی۔ ان کی نبوت میں اختلاف ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: وہ نہ نبی تھے اور نہ فرشتے بلکہ وہ اللہ سے محبت کرنے والے بندے تھے۔ اللہ نے انہیں محبوب بنایا۔ انہوں نے کتابوں میں دیکھا تھا کہ اولادِ سام میں سے ایک شخص چشمۂ حیات سے پانی پئے گا اسے موت نہ آئیگی۔ چنانچہ اس کی تلاش میں آپ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ مشرق و مغرب کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سفر میں حضرت خضر علیہ السلام اس چشمہ تک پہنچے اور اس کا پانی پیا لیکن آپ نہ پہنچ سکے۔ اس سفر میں آپ نے مغرب و مشرق تک دورہ کیا اس کے بعد آپ بجانب شمال بڑھے یہاں تک کہ آپ دو پہاڑوں کے بیچ پہنچے تو وہاں انہوں نے ایک ایسی قوم سے ملاقات کی کہ ان کی زبان انہیں سمجھ نہ آتی تھی۔ اور ان سے اشاروں وغیرہ کی مدد سے بہ مشقت بات چیت کی جاسکتی تھی۔ انہوں نے شکایت کی کہ: یاجوج ماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ یہ یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ بہار کے موسم میں نکلتے ہیں۔ کھیتیاں اور تمام سبزے کھا جاتے ہیں۔ خشک چیزیں لاد کر لے جاتے ہیں۔ انہوں نے فساد کو اس حد تک پہنچایا ہوا ہے کہ وہ انسانوں درندوں، وحشی جانوروں، سانپوں اور بچھوؤں تک کو کھا جاتے ہیں لہٰذا براہ کرم آپ ان کے فساد اور شر سے بچانے کے لئے ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادیں۔ ہم باقاعدہ اس کا معاوضہ ادا کریں گے آپ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کے فضل سے میرے پاس مال کثیر اور ہر قسم کا سامان موجود ہے مجھے تم سے کچھ لینے کی ضرورت نہیں ہے میں صرف اور صرف تمہاری مدد کا اس حد تک طلب گار ہوں کہ میں

جوکام بتاؤں وہ انجام دو۔انہوں نے عرض کی کہ ہم ہرطرح مدد کے لئے تیار ہیں۔چنانچہ آپ نے انہیں حکم دیا کہ لوہے کے تختے لاؤ اور دو پہاڑوں کے درمیان پانی تک بنیاد کھونے کا بھی حکم کیا۔ جب بنیاد کھود لی گئی تو اس میں پتھر پگھلائے ہوئے تانبے سے جمائے گئے اور لوہے کے تختے اوپر نیچے چن کر اس کے درمیان لکڑی اور کوئلہ بھر دیا اور آگ دے دی اس طرح یہ دیوار پہاڑ کی بلندی تک اونچی کردی گئی اور دونوں پہاڑوں کے درمیان کوئی جگہ نہ چھوڑی گئی۔اوپر سے پگھلا ہوا تانبا دیوار میں پلا دیا گیا۔ یہ سب مل کر ایک سخت جسم بن گیا۔اس دیوار کی تکمیل کے بعد یاجوج ماجوج اس پر نہ چڑھ سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کرسکے۔حضرت ذوالقرنین نے کہا: یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل وکرم کا نتیجہ ہے اور جب میرے رب کا وعدہ آئیگا تو اسے پاش پاش کردے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ: یاجوج ماجوج روزانہ اس دیوار کو توڑتے ہیں اور دن بھر محنت کرتے کرتے جب اس کے توڑنے کے قریب ہوتے ہیں تو ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ: اب چلو باقی کل توڑیں گے۔دوسرے روز جب آتے ہیں تو وہ بحکم الٰہی پہلے سے زیادہ مضبوط ہوجاتی ہے جب ان کے اخراج کا وقت آئے گا تو ان میں سے کوئی کہے گا کہ: ان شاءاللہ! باقی کل توڑلیں گے۔ان شاءاللہ کی برکت سے ان کی محنت رائیگاں نہ جائے گی بلکہ اگلے دن انہیں دیوار ٹوٹی ملے گی۔جتنی پہلے روز توڑ گئے تھے۔اب وہ نکل آئیں گے۔زمین میں فساد پھیلائیں گے۔قتل و غارت کریں گے، چشموں کا پانی پئیں گے، جانوروں، درختوں، اور جو شخص بھی ان کے ہاتھ آجائے گا اسے کھا جائیں گے، مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، اور بیت المقدس میں داخل نہ ہوسکیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں کیڑا پیدا کرے گا جو ان کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔

فائدہ:

نمازِ حاجت:

ابوداؤد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ: حضور ﷺ کو جب کوئی امر اہم پیش آتا تو

نماز پڑھتے اس کیلئے دو رکعت یا چار رکعت پڑھتے۔پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین بار آیۃ الکرسی پڑھتے اور باقی تین رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل هو الله الخ قل اعوذ برب الفلق الخ اور قل اعوذ برب الناس الخ اس کے بعد درود شریف اور یہ دعا پڑھتے۔

"لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ أَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ، مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَّا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ"۔

یعنی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو حلیم وکریم ہے پاک ہے اللہ مالک ہے عرش عظیم کا، حمد اللہ تعالیٰ کے لئے جو رب ہے تمام جہانوں کا، میں تجھ سے تیری رحمت کے اسباب مانگتا ہوں اور طلب کرتا ہوں تیری بخشش کے ذرائع اور ہر نیکی سے غنیمت اور ہر گناہ سے سلامتی میرے لئے کوئی گناہ مغفرت کے بغیر نہ چھوڑ اور ہر غم کو دور کردے اور جو حاجت تیری رضا کے موافق ہے اسے پورا کردے۔اے سب مہربانوں کے مہربان۔

نمازِ استسقاء:

استسقاء دعا و استغفار کا نام ہے۔نماز استسقاء سے قبل تین روزے رکھیں۔پرانے یا پیوند لگے کپڑے پہن کر خشوع وخضوع کے ساتھ سر برہنہ اور پا برہنہ پیدل میدان میں جائیں۔ جانے سے پہلے خیرات کریں۔توبہ استغفار کرتے ہوئے میدان میں اُتر جائیں۔اپنے ساتھ کمزوروں، بوڑھوں اور بچوں کو بھی لے جائیں اور ان کے توسل سے دعا کریں۔امام دو رکعت جہر کے ساتھ پڑھے، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ سبح اسم ربك الاعلى الخ پڑھے اور دوسری رکعت میں هل اتك الخ۔نماز کے بعد زمین پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے اور دورانِ خطبہ چادر لوٹ دے، یعنی، اوپر کا کنارہ نیچے اور نیچے کا اوپر کردے۔خطبہ کے بعد دعا کرے، دعا میں ہاتھوں کو بلند کرے اور پشت دست آسمان کی جانب کرلے۔

۸- ﴿هُوَ ٱلَّذِىٓ أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِۦ وَبِٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾﴾ [الأنفال:٦٢]

وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں کی جماعت سے۔

اس آیت کریمہ سے قبل کی آیت میں بیان فرمایا گیا کہ اگر کفار جنگ کی بجائے صلح پر آمادہ ہوں تو تمہیں بھی چاہئے کہ خون ریزی سے ہاتھ اُٹھالو اور صلح کرلو اور اللہ پر ہی بھروسہ کرو۔ اس لئے کہ وہی اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: اگر وہ کفار بظاہر صلح پر آمادہ ہوں اور اندر ہی اندر تمہیں زک پہنچانے کی تیاریاں کررہے ہوں تب بھی تم صلح کے لئے بڑھنے والے ہاتھ کو جھٹک نہ دو بلکہ اسے گرم جوشی سے تھام لو۔ اللہ تعالیٰ جس نے پہلے بھی ہر مشکل میں تمہاری اعانت کی ہے وہ اب بھی قادر ہے کہ تمہارے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملادے اور تمہیں کامیاب کردے۔

اس کے بعد مزید اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا: هُوَ الَّذِيْٓ الخ یعنی، وہی ہے کہ اس نے اور تمام مومنوں نے ہر مرحلہ پر آپ کی مدد کی اور آئندہ بھی وہی اور تمام مومن آپ کے مددگار ہوں گے۔

اس آیت میں غیر خدا کی مدد کا جواز موجود ہے۔

۹- ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ حَسْبُكَ ٱللَّهُ وَمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾﴾ [الأنفال:٦٤]

اے نبی! کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور مومن جو کہ آپ کے فرمان بردار ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عمر کے ایمان لانے کے بارے میں نازل کی گئی۔ ایمان لانے سے قبل تینتیس (۳۳) مرد اور چھ (۶) عورتیں مشرف بہ اسلام ہوچکے تھے۔ تب حضرت عمر اسلام لائے۔ اس قول کی بناء پر یہ آیت مکمل ہے لیکن حضور ﷺ کے حکم پر اسے مدنی سورۃ میں لکھا گیا۔ اس آیت میں بھی غیر خدا کی مدد کا جواز موجود ہے۔

۱۰- ﴿فَإِنَّ ٱللَّهَ هُوَ مَوْلَىٰهُ وَجِبْرِيلُ وَصَٰلِحُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ﴿٤﴾﴾ [التحريم:٤]

بے شک اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے اور جبرئیل اور نیک ایمان والے اور اس کے فرشتے مددگار ہیں۔

۱۱- ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَهُمْ رَٰكِعُونَ ﴿٥٥﴾﴾ [المائده:٥٥]

تمہارے مددگار اللہ تعالیٰ، اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہر حال میں بارگاہ الٰہی میں جھکنے والے ہیں۔

قبل ازیں دشمنان دین کو اپنا ہم راز، صلاح کار بنانے اور ان پر کامل اعتماد کرنے کی ممانعت کی گئی کہ جو شخص یہود و نصاریٰ کے ساتھ دلی تعلقات قائم کرے وہ زمرہ مسلمین سے نہیں اس لئے ان دشمنان اسلام سے دوستی اور محبت کرنے سے روکا گیا۔ اب اس آیت میں بتایا جارہا ہے کہ مسلمان کس سے محبت و پیار کریں؟ کسے اپنا ناصر اور مددگار بنائیں۔ فرمایا: تمہارا دوست اور تمہارا مددگار اللہ تعالیٰ، اس کے رسول کریم اور وہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور نہایت خشوع وخضوع سے عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

۱۲- ﴿وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ [التوبہ:٧١]

اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

۱۳- ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ قَالُوا۟ رَبُّنَا ٱللَّهُ ثُمَّ ٱسْتَقَٰمُوا۟ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا۟ وَلَا تَحْزَنُوا۟ وَأَبْشِرُوا۟ بِٱلْجَنَّةِ ٱلَّتِى كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ أَوْلِيَآؤُكُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ﴾ [حم السجدة:٣١]

بیشک جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اُترتے ہیں کہ

نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو اس جنت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے مددگار ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

فرشتے اس حقیقت کا اظہار کر رہے ہیں کہ وہ دنیا میں مسلمانوں کے مددگار رہے ہیں کہ ان کی حفاظت کرتے تھے اور آخرت میں بھی دخولِ جنت تک ان کے ساتھ رہیں گے اور ہر مرحلہ پر ان کی مدد کریں گے۔

١٤- ﴿وَٱجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝٢٩ هَـٰرُونَ أَخِي ۝٣٠﴾
[طٰہٰ:٢٩-٣٠]

اے اللہ! میرے بھائی ہارون کو (نبی بنا کر) میرا وزیر کر دے میری پشت کو ان کی مدد سے مضبوط کر دے۔

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کیلئے فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو انہوں نے اس وقت دعا کی کہ میری مدد کیلئے میرے بھائی ہارون کو وزیر بنایا جائے۔ اس مرحلہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ: تم نے میرے سوا غیر اللہ کا سہارا کیوں لیا ہے کیا میں کافی نہیں ہوں؟ بلکہ ان کی درخواست منظور فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَـٰمُوسَىٰ ۝٣٦﴾ [طٰہٰ:٣٢] یعنی، اے موسیٰ! جو کچھ تو نے مانگا ہے وہ ہم نے تجھے عطا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بندوں کا سہارا لینا اور ان سے مدد مانگنا سنت انبیاء ہے

احادیث:

١- مشکوٰۃ باب السجود وفضلہ میں حضرت ربیعہ بن کعب سے روایت ہے کہ: حضور ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: سَلْ فَقُلْتُ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ، فَقُلْتُ: هُوَ ذَاكَ، قَالَ: فَأَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ یعنی، اے ربیعہ! کچھ مانگ، میں نے کہا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں، فرمایا: کچھ اور مانگنا ہے؟ میں نے کہا، صرف یہی، فرمایا: کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو۔

ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ نے آپ سے جنت مانگی تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ: تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت کیوں مانگی بلکہ فرمایا: وہ منظور ہے کچھ اور مانگو۔ وہ عرض کرتے ہیں یہی کافی ہے اس لئے کہ جنت باغ عالم کا پھل ہے باقی چیزیں پتے ہیں۔ جب پھل مل گیا تو پتوں کی کیا ضرورت ہے۔ خیر حضرت ربیعہ نہ مانگیں یہ ان کی خوشی، دینے میں وہاں کوئی انکار نہیں۔

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہئے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی ﷺ

اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: اے ربیعہ! تم بھی اس کام میں میری مدد کرو کہ نوافل زیادہ پڑھا کرو اس حدیث کی شرح میں ''اشعۃ اللمعات'' میں ہے، واز اطلاق سوال کہ فرمود سل وتخصیص نہ کرد بمطلوبے خاص معلوم مے شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بر ہد۔ یعنی، سوال کو مطلق فرمانے سے کہ فرمایا کہ: مانگ لو کسی چیز سے متقید نہ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ حضور ﷺ ہی کے کریمانہ ہاتھ میں ہے جو چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دیں۔

خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ (٣٦٠) بت رہے اور تین سو سال تک رہے حضور ﷺ کے ذریعہ خانہ کعبہ پاک ہوا۔ رب تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب میرا گھر میرے محبوب کی امداد کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا تو تمہارا دل ان کی نظر کرم کے بغیر کیسے پاک ہو سکتا ہے۔

٢- علامہ فخر الدین رازی نے ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ الخ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے جو کوئی جنگل میں پھنس جائے تو کہے۔ اعینونی عباد اللہ یرحمکم اللہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو رب تم پر رحم فرمائے۔

٣- حصن حصین (ص٢٠٢) میں ہے وَاِنْ اَرَادَ عَوْنًا فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللّٰهِ أَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ أَعِيْنُوْنِيْ جب مدد لینا چاہئے تو کہے اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو، میری مدد کرو، اس کی شرح ''الحرز الثمین'' میں ملا علی قاری اس جگہ فرماتے ہیں۔ "إذا انفلتت دابه

أحدكم بأرض فلاة فليناديا عباد الله احبسوا" یعنی، جب جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو آواز دواے اللہ کے بندو! اسے روک دو۔

عباداللہ کے ماتحت فرماتے ہیں:

ألمراد بهم الملائكة، أو المسلمون من الجن، أو رجال الغيب المسلمون بأبدال فرماتے ہیں: هذا حديث حسن يحتاج إليه المسافرون وإنه مجرب یعنی، بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان جن یا رجال الغیب یعنی، ابدال مراد ہیں یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ عمل مجرب ہے۔

۴- حضرت ابوالجوزاء فرماتے ہیں کہ: اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں شکایت کی تو آپ نے فرمایا: أُنْظُرُوا قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ یعنی، حضور ﷺ کی قبرانور کو دیکھو۔ فَاجْعَلُوا مِنْهُ كُوًى إِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ یعنی، قبر شریف کے اوپر (چھت میں) سوراخ کیا جائے تاکہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ ہو۔ فَفَعَلُوْا تو انہوں نے ایسا کیا، فَمُطِرُوْا مَطَرًا حَتّٰى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْإِبِلُ حَتّٰى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامُ الْفَتْقِ تو شدید بارش انہیں عطا کی گئی حتیٰ کہ گھاس اُگ آئی اور اونٹ فربہ ہوگئے حتیٰ کہ چربی کی کثرت کی وجہ سے ان کے جسم پھٹ گئے اسی لئے اس سال کو عام الفتق کہا جاتا ہے اس کی شرح میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے فرمایا: وقد قيل في سبب كشف قبر النبي صلى الله عليه وسلم أن السماء لما رأت قبره بكت وسال الوادي من بكاءها قال تعالى: فما بكت عليهم السماء والأرض۔

اقوال علماء:

۱) ''اشعۃ اللمعات'' باب زیارۃ القبور میں ہے: امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے درحیات استمداد کردہ مے شود بوے بعد از وفات یکے از مشائخ گفتہ دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف مے کنند در قبور خود مانند تصرفہا ایشان در حیات خود یا بیشتر، قوے مے گویند کہ امداد

حی قوی تر است ومن مے گویند کہ امداد میت قوی تر واولیاء را تصرف درا کوان حاصل است۔

امام غزالی نے فرمایا کہ: جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد مانگی جائے۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ: چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبروں میں بھی ویسے ہی تصرف کرتے ہیں جیسے زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردہ کی امداد زیادہ قوی ہے اولیاء کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر ان کی روحوں کو کیونکہ ارواح باقی ہیں۔

۲- امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: قبر موسى كاظم ترياق المجرب لإجابة الدعاء یعنی، موسیٰ کاظم کی قبر قبولیت دعا کے لئے آزمودہ تریاق ہے۔

۳- ''نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر'' مصنفہ ملا علی قاری (ص ۶۱) میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ: من استغاث بي في كربة كشفت عنه ومن ناداني بإسمي في شدّة فرجت عنه ومن توسّل بي إلى الله في حاجة قُضيت یعنی، جو کوئی رنج وغم میں مجھ سے مدد مانگے اس کا رنج وغم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھ پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اس کی حاجت پوری ہوگی۔

قرآن مجید کی آیات، احادیث اور اقوال علماء سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ بندہ دنیا میں ہو یا اس دنیا سے رخصت ہو جائے۔ بہرصورت اس سے استعانت جائز ہے اور یہ ایاك نستعین کے منافی نہیں ہے۔

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۶ ﴾

چلا تو ہمیں سیدھے راستہ پر

اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں چند امور قابل غور ہیں۔ تعلق، لفظی تحقیق، صراط مستقیم کے مصادیق، تفسیر

تعلق:

اس آیت کا ماقبل سے چند طرح سے تعلق ہے:

اول: یہ کہ قبل ازیں عبادت کا ذکر تھا اب دعا کا ذکر ہو رہا ہے جس سے اس جانب اشارہ ہے کہ عبادت کے بعد دعا مانگنی چاہئے اسی لئے سنت ہے کہ نماز کے بعد دعا مانگی جائے۔

دوم: یہ کہ قبل ازیں کہا گیا کہ تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں اب عرض کیا جا رہا ہے کہ تو ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھ یعنی، عبادت پر قائم رکھ ایسا نہ ہو کہ روز عبادت کر کے اسے چھوڑ دیں بلکہ ہم تیری عبادت میں مشغول رہیں۔

سوم: یہ کہ عبادت کے بعد ہدایت کی دعا اس لئے مانگی گئی ہے کہ ہدایت کے بغیر کسی کو بھی عبادت منزل مقصود تک نہیں پہنچاتی۔ بڑے بڑے عابد و زاہد آخر کار زندیق اور مردود بارگاہ الٰہی ہو گئے جیسے ابلیس اور بلعم بن باعور وغیرہ کہ پہلے یہ اول درجہ کے عابد و زاہد تھے اور بعد میں گمراہ ہو گئے تو "اھدنا" کے ذریعے عرض کیا جا رہا ہے کہ: اے اللہ! ہم اپنی عبادت پر نازاں نہیں ہیں بلکہ تجھ سے ہدایت پر استقامت طلب کرتے ہیں۔

لفظی تحقیق

اھد

یہ ہدایت سے مشتق ہے ہدایت کے دو معنی ہیں۔ پہلا ارائۃ الطریق یعنی، راستہ دکھانا، دوسرا ایصال إلی المطلوب یعنی، منزل مقصود تک پہنچانا۔ یہاں پر ہدایت کا دوسرا معنی مراد ہے تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہمیں سیدھا راستہ صرف دکھا نہ دے بلکہ وہاں تک پہنچا بھی دے۔

نا

یہ ضمیر جمع متکلم ہے۔ اس کے ذریعہ بندہ اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ میں صرف اپنے لئے دعا نہیں کر رہا بلکہ اس دعا میں سب کو شریک کر رہا ہوں اس کی کئی وجوہ ہیں:

اول: یہ کہ جس طرح وہ عبادت زیادہ قبول ہوتی ہے جو کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کی جائے اسی طرح وہ دعا بھی زیادہ قبول ہوتی ہے جو سب کے لئے کی جائے کیونکہ اگر ایک کے لئے بھی دعا قبول ہو جائے تو امید ہے کہ سب کے لئے قبول ہو جائے گی اس لئے دعا کے اول و آخر میں درود شریف پڑھا جاتا ہے کہ درود شریف یقیناً قبول ہوتا ہے تو رحمت الٰہی سے قوی امید ہے کہ وہ درمیان کی دعا کو رد نہیں فرمائے گا اسی لئے ہمیں حکم ہے کہ دعا کے اوّل و آخر میں درود شریف پڑھا جائے۔ (تفسیر کبیر)

دوم: یہ کہ علامہ رازی نے "تفسیر کبیر" میں اسی آیت کی تفسیر کے ضمن میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں حضور ﷺ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا: "اُدْعُوا اللّٰهَ بِأَلْسِنَةٍ مَا عَصَيْتُمُوْهُ بِهَا" یعنی، بے گناہ زبانوں سے دعا مانگو۔ صحابہ نے عرض کیا: "ومن لنا تملك الا لسنة" ہم میں سے کون شخص ہے جو ایسی زبان رکھتا ہو، آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک دوسرے کے حق میں دعا کرے کہ اپنی زبان اپنے لئے گناہ گار ہے نہ کہ غیر کے لئے۔

معلوم ہوا کہ دعاؤں کی مقبولیت کا راز اسی میں ہے کہ: انسان جب بھی بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اُٹھا کر دعا کرے تو اس میں اپنے ساتھ سب کے لئے دعا کرے اور کہے اے اللہ ہم سب کو یہ عطا فرما، اور ہم سب کے خالی دامنوں کو اپنے فضل و کرم سے بھر دے، اس لئے "اھدنا" کہا گیا نہ کہ "اھدی"۔

الصراط

صراط "صرط" سے مشتق ہے اس کا معنی "نگل لینا" ہے۔ راستہ کو صراط اسی لئے کہتے ہیں کہ راستہ مسافر کو اپنے اندر اسی طرح لے لیتا ہے جیسا کھانے والا شخص لقمہ کو۔ اصطلاح میں صراط سے مراد شارع عام ہے یعنی، وہ عام اور کشادہ راستہ جس میں چند آدمی مل کر چل سکیں لہٰذا وہ تنگ گلی اور کوچے جن میں چند آدمیوں کے مل کر چلنے کی گنجائش نہ ہو انہیں صراط نہیں کہا جاتا، "صراط" کے لفظ سے بھی اجتماعیت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ لفظ "نا" کی تشریح میں اس

اجتماعیت کو واضح کیا گیا۔

رہا یہ امر کہ صراط، سبیل اور طریق مترادف الفاظ ہیں۔ اس آیت میں "اھدنا السبیل" یا "اھدنا الطریق" نہیں کہا گیا بلکہ "اھدنا الصراط" اختیار کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ صراط کے کہنے سے صراط یاد آجائے اور انسان کے دل میں زیادہ سے زیادہ خوف الٰہی پیدا ہو گویا کہ دعا کرنے والے کی منشاء یہ ہے کہ: اے اللہ! ہمیں اس راستہ پر چلا جس پر چل کر پل صراط کو آسانی سے طے کرلیں۔ (تفسیر کبیر)

المستقیم

استقامت سے مشتق ہے، اس کا معنی ہے سیدھا ہونا۔ امام رازی "تفسیر کبیر" میں فرماتے ہیں: اہل ہندسہ یعنی، ریاضی دانوں کے نزدیک خطِ مستقیم اس چھوٹے خط کو کہتے ہیں جو کہ دو نقطوں کو آپس میں ملا دے جس کا لازمی طور پر نتیجہ نہ نکلتا ہے کہ نقطوں کو آپس میں ملانے والے جتنے بھی خطوط ہوتے ہیں ان میں سے صرف ایک خطِ مستقیم ہوتا ہے اور باقی خطوط ٹیڑھے ہوتے ہیں اور خطِ مستقیم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ تمام خطوط سے منزل کے زیادہ قریب اور زیادہ چھوٹا ہوتا ہے اور وہ غیر متغیر ہوتا ہے باقی خطوط تغیر کو قبول کرتے ہیں۔

بنا بریں صراطِ مستقیم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس پر چلنے والے کو منزل مقصود تک جلد پہنچادے اور اسے راستہ میں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ باقی رہا ٹیڑھا راستہ تو وہ یا تو منزل مقصود تک پہنچائے گا ہی نہیں بلکہ اس پر چلنے والے کو منزل سے دور کرتا چلا جائے گا۔ یا منزل مقصود تک تو پہنچائے گا لیکن بہت دیر میں اور بہت دشواری کے بعد۔

کفر وہ ٹیڑھا راستہ ہے جو کہ کبھی بھی منزل مقصود تک پہنچا ہی نہیں سکتا کہ اس راستہ پر چلنے والا منزل سے دور ہوتا چلا جارہا ہے اور فسق و فجور کا راستہ وہ راستہ ہے جس پر چلنے والا منزل مقصود (جنت) تک پہنچ جائے گا لیکن بہت ہی دشواری اور مصیبت کے بعد کہ فاسق فاجر اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخر کار جنت میں جائے گا۔ اسی لئے بندہ دعا کرتا ہے کہ: الٰہی! میں عاجز

اور کمزور ہوں میں اتنا دور دراز سفر طے نہیں کرسکتا۔ میری عاجزی، ناتوانی اور کمزوری کے لائق صرف صراط مستقیم ہے اس لئے ہم تجھ سے صرف صراط مستقیم طلب کرتے ہیں اور باقی دو راستوں پر چلنے سے چونکہ میری منزل دور ہوتی چلی جائے گی اور ان پر چلنے سے میرا سفر دشوار ہوجائے گا اور اس میں مجھے مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا اس لئے میں ان دونوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

مصداق صراط مستقیم:

صراط مستقیم کے چار مصداق ہیں:

۱) عقائد اسلامیہ ۲) اعمال اسلامیہ ۳) عبادات اسلامیہ ۴) اخلاق۔

عقائد:

عقائد میں وہ عقائد صراط مستقیم ہیں جن کی تصریح شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، انبیاء کرام، کتب سماویہ، ملائکہ، صحابہ، اہل بیت کرام اور اولیاء عظام کے بارے میں شریعت اسلامیہ نے جو درجات متعین کئے ہیں ان کے مطابق انہیں ماننا صراط مستقیم ہے اور ان کے مدارج و مراتب میں افراط و تفریط سے کام لیتے ہوئے انہیں ماننا صراط مستقیم نہیں۔

اعمال و عبادات:

اعمال میں وہ اعمال صراط مستقیم ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے عبادات اور معاملات میں میانہ روی روح اسلام اور صراط مستقیم ہے اور ان میں افراط و تفریط صراط مستقیم نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص نوافل میں اس قدر مشغول رہتا ہے کہ وہ تمام رشتہ داروں کے حقوق سے بے پروا ہوجاتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو دنیوی امور کی انجام دہی میں اس قدر مشغول ہوجاتا ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی خدا کو یاد نہیں کرتا، تو یہ دونوں صراط مستقیم پر نہیں ہیں۔ البتہ وہ شخص جو کہ رب کو بھی یاد کرتا ہے اور سب کے حقوق بھی ادا کرتا ہے تو وہ صراط مستقیم پر ہے۔ اس حقیقت کو حدیث شریف میں بیان کیا گیا کہ سوؤ بھی اور عبادت بھی کرو۔ روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، تمہاری

آنکھ کا تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے، اس حقیقت کی اہمیت کے پیش نظر محدثین، کتب احادیث میں "باب القصد فی العمل" کے عنوان سے ایک مستقل باب باندھتے ہیں یعنی، اعمال میں میانہ روی۔

اخلاق:

اخلاق میں وہ اخلاق صراط مستقیم ہیں جن سے حضور ﷺ کی ذات اقدس متصف تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے لئے ہی کسی سے محبت اور نرمی کی جائے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "الحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ" یعنی، محبت اور بغض کے وقت صرف اور صرف رضاء الٰہی پیش نظر رہے۔ کبھی کسی حالت میں غصہ نہ کرنا بے غیرتی ہے اور ہر وقت غصہ میں رہنا یہ بد خلقی ہے جو کہ صراط مستقیم نہیں ہے البتہ اللہ کے لئے غصہ کرنا اور اسلام کے دشمنوں سے قطع تعلق کرنا صراط مستقیم ہے اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لینا اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے انتقام لینا خلق مصطفی ﷺ ہے جس کی گواہی قرآن مجید کی اس آیت میں دی گئی ہے۔

یعنی، آپ خلق عظیم کے مالک ہیں

صوفیاء کرام کے نزدیک صراط مستقیم کے دو مصداق ہیں۔

اول: یہ کہ صراط مستقیم سے مراد وہ راستہ ہے جو حب الٰہی اور عقل دونوں کا جامع ہو اسے اصطلاح تصوف میں سلوک کہتے ہیں یعنی، رب تعالیٰ کی محبت بھی کامل ہو اور عقل بھی باقی رہے اور عقل محض جو عشق الٰہی سے خالی ہو بے دینی ہے اور عشق محض جس میں عقل قائم نہ رہے جذب ہے۔ ان دونوں راستوں میں افراط و تفریط ہے۔ راہ سلوک میں اعتدال اور میانہ روی ہے۔ سالک مجذوب سے افضل ہے موسیٰ علیہ السلام صفاتِ الٰہیہ کی تجلی کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے، یہ جذب ہے، حضور ﷺ معراج میں عین ذات کو دیکھ کر تبسم ہی فرماتے رہے یہ سلوک ہے۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسمی

دوم: صراط مستقیم وہ راستہ مراد ہے جو ذات الٰہی تک پہنچا دے اس کے علاوہ اور راستے افراط و تفریط سے خالی نہیں ہیں۔ شیطان، نفس، دشمن، دوست، رشتہ دار، اولاد، ماں باپ، اور معاشرہ ان میں سے ہر ایک انسان کو اپنے اپنے راستہ کی طرف بلاتے ہیں۔ شیطان اور راستہ کی دعوت دے رہا ہے، نفس اور طرف کھینچ رہا ہے، دوست کہیں اور طرف لے جانا چاہتا ہے اور رشتہ دار کہیں اور پہنچانے کی تمنا رکھتے ہیں لیکن ہم یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! راستے تو بہت ہیں اور ان کی طرف دعوت دینے والے مختلف ذوق کے مالک ہیں لیکن اے مولا! ہم تو اس راستے کے طالب ہیں جو تجھ تک پہنچا دے جس میں انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ اپنے ہر عمل ہر قول اور ہر فعل میں رضائے حق کو پیش نظر رکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾[الانعام:۱۶۲] فرمادیجئے میری نماز، میری عبادت، میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو کہ تمام جہاں والوں کا پالنے والا ہے اس لئے ان کا لقب خلیل ہے جس کا معنی ہے الخلیل یعمل برضاہ یعنی، خلیل وہ ہے جو اللہ کی رضا کے مطابق عمل کرے۔

اس مقام پر علامہ فخر الدین رازی نے "تفسیر کبیر" میں ایک حکایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: یحکی عن إبراهيم بن أدهم أنه كان ليسير إلى بيت الله فإذا أعرابي على ناقته فقال يا شيخ الى أين فقال إبراهيم: الى بيت الله، قال: كانك مجنون لا أرى لك مركبًا ولا زاداً والسفر طويل فقال إبراهيم: إن لي مراكب كثيره ولكنك لاتراها، قال: ما هي قال: إذا نزل بي القضاء ركبت مركب الرضاء وإذا دعتني النفس إلى شئ علمت ان ما بقى من العمر أقل ممّا مضى فقال الاعرابي: سر بإذن الله فأنت الراكب وأنا الراجل۔

یعنی، حضرت ابراہیم بن ادہم پیدل حج کے لئے جا رہے تھے، ایک ناقہ سوار بدوی نے آپ سے پوچھا کہ: آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: بیت اللہ شریف۔ اس نے کہا کہ: آپ

دیوانے معلوم ہوتے ہیں، یہ سفر اس قدر طویل ہے اور اس کے لئے آپ کے پاس نہ تو سواری ہے اور نہ ہی زادراہ۔ آپ نے فرمایا: تیرے پاس ایک سواری ہے اور میرے پاس بہت سی سواریاں ہیں جو کہ تجھے نظر نہیں آتی۔ عرض کیا: وہ کونسی سواریاں ہیں؟ فرمانے لگے: جب مجھ پر کوئی بلا آتی ہے تو صبر کے گھوڑے پر سواری کرتا ہوں، جب نعمت الٰہی سے سرفراز کیا جاتا ہوں تو شکر کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں، جب کوئی رب کی قضا آتی ہے تو رضا پر سوار ہوتا ہوں، جب نفس کسی چیز کی طرف بلاتا ہے تو اپنی عمر پر بے اعتمادی کے گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں، بدوی نے کہا! بے شک آپ سوار ہیں اور میں پیادہ ہوں۔

اقسام ہدایت:

ہدایت کی کئی اقسام ہیں۔

۱) ایک ہدایت الہامی جو بغیر کسی کے بتائے خود بخود حاصل ہو جیسے بچہ ماں کا پستان چوسنا اور رو رو کر ماں کو اپنی طرف مائل کرنا خود بخود جانتا ہے۔

۲) دوسری ہدایت احساسی ہے جو کہ حواس درست ہونے کے بعد حاصل ہو جیسے کہ بچہ ہوش سنبھالنے کے بعد اچھی بری چیزوں میں فرق کرتا ہے۔

۳) تیسری ہدایت عقلی جو کہ عقل کی مدد سے حاصل ہو اسے ہدایت نظری بھی کہتے ہیں جو کہ دلائل سے حاصل ہوتی ہے یعنی، انسان اپنی عقل کی مدد سے دلائل قائم کر کے اس کے بعد نتیجہ نکالے۔

۴) چوتھی ہدایت الٰہیہ جو کہ حق تعالیٰ کے خاص کرم سے حاصل ہو، عقل اور دلائل سے معلوم نہ ہو سکے بلکہ حق تعالیٰ اپنے انبیاء کرام کے ذریعہ اپنے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ یہ ہدایت دو قسم کی ہے ہدایت عامہ اور ہدایت خاصہ۔ ہدایت عامہ شرعی احکام کی ہدایت ہے جو نبی کی طرف سے عام مخلوق کو ہوتی ہے جیسے عقائد وظاہری اعمال اسلامیہ۔ ہدایت خاصہ وہ ہے جو کہ نور نبوت یا نور ولایت سے خاص خاص لوگوں کو حاصل ہو۔ (تفسیر عزیزی) یہ ہدایت

الہامیہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے پیدائشی عارف باللہ ہوتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا: انی عبد اللّٰہ اور حضور ﷺ نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا۔ نزول قرآن سے قبل غار حرا میں اعتکاف فرماتے اور اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے حضرت غوث پاک نے رمضان کے دن دودھ نہیں پیا۔

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

گر بہ استدلال کار دیں بدے
فخر رازی راز دار دیں بدے

یعنی، اس قسم کی ہدایت حاصل کرنے کیلئے فخر الدین جیسی ہستی کی عقل بھی کافی نہیں کیونکہ یہ ہدایت عقل سے وراء ہے اسی لئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ: ظاہری عالم کی پہنچ دلیل تک ہے اور ولی کی رسائی کشف و مکاشفہ تک ہے یعنی، ظاہری عالم بتا کر اور شیخ طریقت دکھا کر سمجھاتا ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء
تا بہ بینی ز ابتدا تا انتہا

﴿ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا

اس آیت کے ضمن میں چند امور قابل غور ہیں۔

ماقبل سے تعلق، لفظی تحقیق، فوائد، تفسیر

تعلق:

قبل ازیں آیت میں رب سے راستہ مانگا گیا اب اس آیت میں اس راستہ کے رہبر مانگے جا رہے ہیں کیوں کہ کوئی راستہ بغیر رہبر کے طے نہیں ہو سکتا تو گویا عرض کیا کہ پروردگار ہم

وہ راستہ مانگتے ہیں جس میں تیرے خاص بندوں کے نقش قدم موجود ہوں اور ان کی رہبری سے ہم منزل مقصود تک پہنچ جائیں اس لئے اس آیت میں ان بندوں کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ منعم علیہم ہیں۔

لفظی تحقیق:

أنعمت

انعام سے مشتق ہے۔ انعام کا معنی نعمت دینا نعمت کے تین معنی ہیں۔ ۱) لغوی، ۲) اصطلاحی، ۳) مرادی۔ لغوی معنی نرمی، اسی لئے عرب والے نرم کپڑے کو ثوب ناعم اور گرم کھال کو جلد ناعم کہتے ہیں۔ اصطلاحی معنی سرور اور لذت، مرادی معنی وہ چیز جس سے انسان کو راحت حاصل ہو اسی لئے مال و دولت اور تندرستی وغیرہ کو نعمت کہتے ہیں۔

نعمت تین قسم کی ہے ایک وہ جو کہ بلا اسباب، رب کی طرف سے حاصل ہو، جیسے زندگی اور بچپن میں رزق اور ہدایت وغیرہ دوسری وہ نعمت ہے جو کہ کسی بندے کے ذریعے ہم تک پہنچے جیسے دنیوی مال وغیرہ اور تیسری نعمت وہ نعمت ہے جو کہ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہمیں ملے جیسے بعض اعمال کی وجہ سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

پہلی قسم کی نعمت دو قسموں پر مشتمل ہے: ایک دنیاوی جیسے کہ ہمارے اعضاء اور ان کی قوتیں وغیرہ، دوسرے دینی جیسے ایمان اور ہدایت وغیرہ اس آیت کریمہ میں نعمت سے مراد دینی نعمتیں ہیں تو آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن کو تو نے دینی نعمتوں سے نوازا۔ یہ حضرات وہ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے ﴿ أُوْلَـٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلصِّدِّيقِينَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَٱلصَّـٰلِحِينَ ﴾ [النساء:۶۹] معلوم ہوا کہ منعم علیہم یہ چار گروہ ہیں یعنی، مطلقاً منعم علیہم مراد نہیں۔ یعنی، عام ازیں کہ نعمت دنیوی کے حامل ہوں یا دینی کے اس لئے کہ منعم علیہم میں کفار، منافقین اور مشرکین بھی داخل ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی عمر، مال، اولاد، حکومت اور دولت وغیرہ دنیوی نعمتوں سے نوازا ہے اس لئے اس آیت میں منعم علیہم سے مراد مذکورہ چار گروہ ہیں۔

فوائد:

۱) اس آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ جس راستہ پر اولیاء کرام چلیں وہ راستہ صراط مستقیم ہے اور وہ جس چیز کو مستحب جانیں وہ مستحب ہے، جیسے کہ حدیث میں ہے ماراہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے انتم شھداء اللہ فی الارض اے مسلمانو! تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ یعنی، جس چیز یا آدمی کو تم اچھا کہہ دو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے کیوں کہ زبان رب کا قلم ہے، لہٰذا محفل میلاد شریف، فاتحہ، عرس وغیرہ یہ وہ تمام چیزیں ہیں جن کو عرب وعجم کے علماء زاہدین، صالحین اور صوفیاء کرام اچھا جانتے اور عمل کرتے ہیں لہٰذا وہ جائز اور مستحب ہیں۔

۲) صدیق کے دو معنی ہیں۔

اول یہ کہ صدیق کا معنی ہے ہر کام میں سچا، قول میں، عمل میں اور ایمان میں۔ حضرت ابوبکر صدیق میں یہ بات کامل طور پر موجود تھی کیوں کہ رب نے ان کی صحابیت کی گواہی دی اور متقی کے خطاب سے بھی نوازا، ارشاد فرمایا:

﴿إِذْ يَقُولُ لِصَـٰحِبِهِۦ لَا تَحْزَنْ﴾ [التوبہ:۴۰]

اور دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا ٱلْأَتْقَى ﴿١٧﴾ ٱلَّذِى يُؤْتِى مَالَهُۥ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُۥ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰٓ ﴿١٩﴾ إِلَّا ٱبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ ٱلْأَعْلَىٰ ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿٢١﴾ ﴾ [اللیل:۱۷-۲۱]

یعنی، جہنم سے بہت دور رکھا جائے گا وہ سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال اس لئے دیتا ہے تاکہ وہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جن کا بدلہ دیا جائے وہ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بیشک عنقریب وہ خوش ہو جائے گا۔ علامہ ابن جوزی اور دوسرے محدثین ومفسرین نے بالاتفاق فرمایا کہ: یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی شان میں

نازل ہوئی ہیں۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝﴾ [الزمر:۳۳]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: ﴿والذی جاء بالصدق﴾ الخ سے حضور ﷺ مراد ہیں اور ﴿وصدق بہ﴾ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں (تاریخ الخلفاء)

دوم یہ کہ صدیق کے معنی ہیں بہت تصدیق کرنے والا یعنی، بعض تو نبی کو اس کے معجزے سے جانتے ہیں بعض کچھ دلائل دیکھ کر لیکن صدیق اپنے نور قلبی سے پہچانتے ہیں اور صدیق کا نفس ایمان اور ایمانیات کو بخوشی قبول کرتا ہے اور گندی چیزوں سے خود بخود نفرت کرتا ہے یہ بات حضرت ابوبکر صدیق میں اعلیٰ درجے پر موجود ہے کہ انہوں نے اسلام سے پیشتر بھی کبھی بت پرستی نہ کی اور برائیوں سے اجتناب کیا اور حضور ﷺ کو بغیر معجزات طلب کیے نبی مان لیا اور معراج جسمانی کی بلادلیل تصدیق کردی۔

﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝۷﴾

نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔

اس آیت کا تفسیر کے ضمن میں چند امور قابل غور ہیں۔ تعلق، لفظی تحقیق، تفسیر۔

تعلق:

پہلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ اب اس آیت میں ان لوگوں کی پہچان بتائی جارہی ہے کہ یہ انعام والے لوگ وہ ہیں جو کہ بداعتقادی اور بدعملی سے بچے ہوئے ہیں یعنی، انعام والے لوگوں کے اعمال بھی درست اور عقائد بھی درست۔

لفظی تحقیق:

غیر:

تین معنی ہیں، نہ، سوا، اور مگر۔

غضب:

لغوی معنی ہے جوش اور بدلنا، اصطلاح میں تغير يحصل عند غلطان دم القلب لشهوة الانتقام (تفسیر کبیر) یعنی، بدلہ لینے کے خیال سے دل میں جوش پیدا ہوتا ہے اسے غضب کہتے ہیں چوں کہ اللہ تعالیٰ دل اور دل کے پلٹنے سے پاک ہے اسی لئے یہاں غضب کا معنی ارادہ و عذاب ہے۔

ضال:

ضلالت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں حیرت، جو شخص حیران ہوا سے ضال کہا جاتا ہے۔ عرف عام میں ضال کا معنی ہے گمراہ یعنی، بدعقیدہ۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی انبیاء علیہم السلام کے متعلق ضلال استعمال کیا گیا ہے وہاں ضلال کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی، حیرت اور وارفتگی، جیسا کہ حضور ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝﴾ [الضحیٰ:۷] اس کا ترجمہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ فاضل بریلوی نے فرمایا: ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی'' یعنی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں ایسا وارفتہ پایا کہ آپ اپنے نفس اور اپنے مراتب کی خبر بھی نہیں رکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے ذات وصفات اور مراتب ودرجات کی معرفت عطا فرمائی۔ یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد بھی اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کے ہمیشہ عارف ہوتے ہیں (خزائن العرفان)۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی طرف گمراہی کی نسبت کھلی گمراہی ہے۔

تفسیر:

المغضوب علیھم اور الضالین میں پانچ قول ہیں۔

اول: مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں (ترمذی)

دوم: مغضوب علیہم سے مراد فاسق، فاجر اور بدعمل لوگ ہیں اور ضالین سے مراد بدعقیدہ لوگ ہیں۔

سوم: مغضوب علیہم سے مراد کھلے کافر اور ضالین سے مراد چھپے ہوئے کافر یعنی، منافق

چھارم: مغضوب علیہم سے مراد خدا کے منکر اور ضالین سے مراد خدا کو تسلیم کرتے ہوئے دوسری ایمانی چیزوں کا انکار کرنے والے لوگ ہیں۔

پنجم: صوفیاء کرام فرماتے ہیں: مغضوب علیہم سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ مقبول ہو کر مردود ہوئے جیسے ابلیس وغیرہ اور ضالین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ وہاں تک پہنچتے ہی نہیں بلکہ باری تعالیٰ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔

تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ خداوند تعالیٰ ہم کو نہ تو ان لوگوں میں سے بنا جو تجھ تک پہنچ سکتے ہی نہیں اور نہ ان لوگوں میں سے جو کہ پہنچ کر واپس لوٹ جائیں۔ یہ مقام نازک ہے انسان کو چاہئے کہ اپنے ظاہری علم اور تقویٰ پر اعتماد نہ کرے۔ بہت سی کھیتیاں پک کر برباد ہو جاتی ہیں۔ ماوشما تو کیا انبیاء علیہم السلام بھی استقامت کی دعا مانگتے تھے حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کیا

﴿تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿١٠١﴾﴾ [یوسف:۱۰۱]

''شرح فقہ اکبر'' میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے نقل کیا ہے کہ: کسی تیلن نے سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ آپ کی داڑھی اچھی ہے یا میرے بیل کی دم، فرمایا کہ: اگر میں دنیا سے ایمان سلامت لے گیا تو میری داڑھی بدرجہ بہتر ہے اور اگر خدانخواستہ یہ دولت مجھ سے چھن گئی تو تیرے بل کی دم میری داڑھی سے کہیں اچھی ہے کیوں کہ اس وقت میرے لئے جہنم ہوگی نہ کہ جانور کے لئے۔

﴿ اٰمِین ﴾

اس کی تشریح کے ضمن میں تین امور قابل غور ہیں۔ ۱) آمین کے معانی، ۲) آمین کے فضائل، ۳) آمین کے مسائل۔

آمین کے معانی:

۱) حضرت عبداللہ ابن عباس نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ: آمین کا کیا معنی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! تو کر'' (ابن کثیر)

۲) امام جوہری نے کہا ہے آمین کا معنی ہے ''اسی طرح ہو'' (ابن کثیر)

۳) امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں ''ہماری امید کو نہ توڑ'' (ابن کثیر)

۴) اکثر علماء نے کہا کہ اس کے معنی ہیں ''اے اللہ! ہماری دعا قبول کر'' (ابن کثیر)

۵) مجاہد، جعفر صادق، ہلال اور ابن عباس نے کہا ہے کہ: آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

فضائل:

۱) حدیث شریف میں ہے کہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ فاتحہ کے لئے آمین ایسی ہے جیسے کتاب کے لئے مہر۔ جس طرح کتاب بغیر مہر کے مکمل نہیں ہوتی اسی طرح بغیر آمین سورۂ فاتحہ مکمل نہیں ہوتی (تفسیر روح البیان)

۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: آمین، رب العالمین کی مہر ہے، جس سے وہ اپنے بندے کی دعا پر مہر لگاتا ہے جس طرح کہ مہر والا لفافہ سوائے مکتوب الیہ کے کوئی نہیں کھول سکتا اسی طرح آمین والی دعا بھی ان شاء اللہ ضائع نہیں ہو سکتی۔

۳) حضرت وہب فرماتے ہیں کہ: آمین میں چار حرف ہیں۔ جب کوئی شخص آمین کہتا ہے تو چار فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت فرماتے ہیں۔

۴) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب امام ولا الضالین کہے تم بھی آمین کہو کیوں کہ اس

وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی موافق ہوگی اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گی۔

۵) حضرت امام فناری سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: شیطان اس دعا سے مایوس ہوجاتا ہے جس کے آخر میں آمین کہہ دی جائے کیوں کہ وہ سمجھتا ہے اس پر مہر لگ چکی ہے، میں اسے توڑ نہیں سکتا۔ (روح البیان)

٦) دعا کرنے والا اور آمین کہنے والا دونوں دعا میں شریک ہوتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا﴾[یونس:۸۹] یعنی، اے موسیٰ اور ہارون تم دونوں کی دعا کو قبول کرلیا گیا ہے حالانکہ دعا صرف موسیٰ علیہ السلام نے کی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے صرف آمین کہی تھی لیکن رب نے اس دعا کو ان دونوں صاحبان کی طرف منسوب فرمایا۔

مسائل:

۱) آمین، قرآن کا کلمہ نہیں بلکہ یہ فقط دعا ہے۔

۲) امام کے پیچھے آمین آہستہ کہنی چاہئے۔

۳) فرشتوں کی موافقت کیفیت میں ہے نہ کہ وقت میں اور کیفیت سری میں ہے۔

۴) آمین قرآن کی آیت نہیں البتہ سورۂ فاتحہ کے اختتام پر اس کا پڑھنا سنت ہے۔

۵) ہر دعا کے بعد آمین کہنا سنت ہے۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

واضح حکم خداوندی کے باوجود

ہم اپنے دینی ودنیاوی مسائل پوچھنے میں کیوں شرماتے ہیں......؟

آپ کے اپنے علاقے میں قائم دارالافتاء

دارالافتاء جمعیت اشاعت اہلسنّت میں

بمقام: نور مسجد کاغذی بازار، میٹھادر کراچی۔

حضرت علامہ مولانا مفتی عطاء اللہ نعیمی صاحب مدظلہ العالی

آپ کے دینی ودنیاوی مسائل کے جوابات کے لیے موجود ہیں۔

شرمانا اور جھجکنا چھوڑیے۔

آیئے............اور............پوچھیے